اللہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کیلئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت (یعنی معرفت حاصل) کریں

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ

کتابچہ نمبر 25

شاہراہِ معرفت

اکابر بالخصوص مجددین رحمۃ اللہ علیہم کی تعلیمات کے تعارف کیلئے

حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

مسترشد حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ

و خلیفہ مجاز دیگر اکابر رحمۃ اللہ علیہم

ناشر : خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی

حضرت مجدد الف ثانی ؒ حضرت کاکا صاحب ؒ حضرت شاہ ولی اللہ ؒ اور
حضرت شاہ اسماعیل شہید ؒ کے علوم شریعت، طریقت اور حقیقت (معرفت) سے
کتابچوں کا سلسلہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر 25

(رمضان۔1446ھ) بمطابق (اُحد۔الاحزاب۔1403 شمسی ہجری)
بمطابق (مارچ۔2025ء)

زیر سرپرستی

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہ العالی

مقصد: اسلاف کی تحقیقات سے اُمّت کو آجکل کی سمجھ میں آنے والی زبان میں روشناس کرنا

مجلس تحقیقات

زین العابدین صاحب مدظلہ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ

مکان نمبر CB-1991/1 ۔بلمقابل جامع مسجد سیدنا امیر حمزہ ؓ
گلی نمبر 4 ۔نزد آشیانہ چوک۔اللہ آباد۔ویسٹرج 3 ۔راولپنڈی

فہرست مضامین

	عنوانات	
1	دیباچہ	2
2	حمد باری تعالی	4
3	نعت رسول اکرم ﷺ	5
4	کلام	6
5	مطالعہ سیرت بصورت سوال	7
6	جمعۃ المبارک کا بیان	9
7	تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ	24
7	مقامات قطبیہ ومقالات قدسیہ	40
8	توضیح المعارف (قسط 14)	62
9	خانقاہ کے شب و روز	69

دیباچہ

الحمد للہ! اللہ پاک کا شکر ہے کہ شاہرائے معرفت کا پچیسواں شمارہ رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں اسی حوالے سے مختلف مضامین پر مشتمل آپ حضرات کی خدمت میں پیش ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور قارئین کے لئے مفید بنائے۔ آمین!

سابقہ شماروں کی طرح اس شمارے کی ابتدا بھی حمد اور نعت شریف سے کی گئی ہے اس کے بعد ایک کلام شامل کیا گیا ہے۔

چونکہ رمضان کا مہینہ شروع ہو چکا ہے اس لیے مناسب یہی تھا کہ اس ماہِ مبارک کے حوالہ سے قارئین تک رمضان کے حوالے سے گزارشات پیشِ خدمت کی جائیں تاکہ وقت پر اس مبارک مہینے سے استفادہ کیا جاسکے۔

اس لیے اس شمارے میں جو نثری مضامین شامل کیے گئے ہیں ان میں پہلا "مطالعہ سیرت" کے عنوان سے ہے جس میں حدیث "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ" کی خوبصورت تشریح کی گئی ہے۔

دوسرا مضمون جمعہ مبارک کا بیان ہے جس میں ماہِ رمضان کی اہمیت بتائی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس ماہ مبارک میں کیسے اعمال کیے جائیں اور لیلۃ القدر کی اہمیت اور اسے حاصل کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

اس شمارے میں حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتھم کی تصنیف "توضیح المعارف" میں سے فلسفہ، سائنس اور معرفت الٰہی کے بیان کے بعد بعض غلط تعبیروں کی اصلاح کی کوشش کے ساتھ ساتھ خوش اعتقادوں کی

توحید اور مخلوقات کے ساتھ خالق قیوم کے تعلق کی نوعیت کو بیان کیا گیا ہے۔

اس شمارے میں حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف مکاتیب سے تعلیمات بیان کی گئی ہیں جن میں حضرت نے سب سے پہلے اللہ جل شانہٗ کے ساتھ براہ راست تعلق کے اسباب اور اللہ جل شانہٗ کے ساتھ بالواسطہ تعلق کے اسباب کے بارے میں رہنمائی فرمائی ہے۔ اس کے بعد حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف مکاتیب شریفہ سے نہایت اہم موضوعات کی انتہائی سہل انداز میں تشریح فرمائی ہے۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ" کے ساتویں باب میں سے حضرت صاحب کے متفرق حالات و مقامات اور انفاس کے بیان میں متن کی خوبصورت اور سہل تشریح کی گئی ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ شمارۂ ہذا کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اپنی کیفیات و آراء سے مطلع فرمائیں۔ اللہ کریم ہماری کامل اصلاح فرمائے اور ہمیں دائمی رضا سے نوازے۔ آمین۔

سید شبیر احمد کاکاخیل مدظلہ

حمدِ باری تعالیٰ

کسی قابل بھی ہے ہستی اپنی

اس پہ واروں میں زندگی اپنی
اس نے ہی دی ہے کب یہ تھی اپنی

وہ مجھے ہوش میں جب لاتے ہیں
بھول جاتا ہوں میں مستی اپنی

اس کے کہنے پہ جاؤں قرباں میں
کسی قابل بھی ہے ہستی اپنی

سر کے بل جاؤں اس کی خدمت میں
گر کوئی چیز مانگ لی اپنی

بھول جانے کو بھی میں بھول گیا
پیش کرتے ہوئے نیستی اپنی

اس نے جو کرلیا شبیرؔ قبول
کیسی خوش بخت ہے شاعری اپنی

کلام: حضرت اقدس سید شبیر احمد صاحب کاکاخیل دامت برکاتہم
کتاب: پیغامِ محبت

نعت شریف

تن من میرا اب آپ پر فدا ہو یا رسول
سنت کے مطابق کام ہر میرا ہو یا رسول

اب سینہ میرا ذکر سے ہو جائے منور
اور دل بھی میرا اس سے مجلیٰ ہو یا رسول

میں امتی آپ کا ہوں گناہ گار و سیاہ کار
طالب ہوں اب کرم کا آپ کا ہوں یا رسول

وقت زندگی کا ہم نے تو یونہی گنوا دیا
آخر تو میرا ٹھیک ہو گیا ہو یا رسول

توبہ کی میں تجدید کروں سامنے آپ کے
جو ہو گناہ معاف ہوچکا ہو یا رسول

خجلت سے آنکھ اٹھ نہیں سکتی شبیرؔ کی
اب ختم گناہوں کا سلسلہ ہو یا رسول

کلام: حضرت اقدس سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

کتاب: شاہراہِ محبت

عارفانہ کلام

اک عشق کی منزل رمضان ہے

اک عشق کی منزل حج ہے اگر اک عشق کی منزل رمضاں ہے
دونوں سے اللہ ملتا ہے دونوں کے پیچھے رحماں ہے

اک دل دینا اللہ کو ہے اک نفس کو قابو کرنا ہے
اک قربانی کا منظر ہے اور اک کے اندر قرآں ہے

اک ڈوب جانے میں ملنا ہے اک ملنے میں ڈوب جانا ہے
وہ بھی تو رب کا احساں ہے یہ بھی تو رب کا احساں ہے

اک میں خود کو دیکھو نہیں اک میں خود میں اس کو دیکھو
اک میں کرنا اس کے لئے اک میں رکنے کا فرماں ہے

ایک بولتی اپنی بند رکھنا اک بولی اس کی سننا ہے
پہلے پہ پھر کیا ملتا ہے اور دوسرے کی بھی کیا شاں ہے

میں دونوں کا شیدا ہوں شبیرؔ مٹ مٹ کے اس کا بن جاؤں
یہ دونوں میرے رستے ہیں اور منزل میری جاناں ہے

کلام: حضرت اقدس سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم
کتاب: پیغامِ محبت

مطالعہ سیرت بصورت سوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ ۞ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

سوال:

آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ اس حدیث شریف میں ایمان کی بات تو واضح ہے لیکن احتساب سے کیا مراد ہے؟

جواب:

ایمان تو بالکل واضح چیز ہے کیونکہ ہر زبان میں ایمان کا مطلب یہی ہے۔ البتہ احتسابًا کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ انسان اپنا احتساب کرے دو وجوہات سے۔ ایک تو انسان عمل کس طرح کرتا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ انسان کس ارادے سے عمل کرتا ہے۔ یہ دو چیزیں اہم ہوتی ہیں، جیسے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ" (بخاری شریف ۱)

ترجمہ: "تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے"۔

لہذا اگر نیت میں خرابی ہو گی یعنی نیت دنیا کے لیے ہو گی یا ورزش کی نیت ہو گی یا کوئی اور نیت ہو گی تو پھر اس کو وہی ثواب ملے گا جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے، اور اگر اس کی نیت یہ ہو گی کہ اللہ پاک مجھ سے راضی ہو جائے تو پھر عمل کا نتیجہ اس کی نیت کے مطابق مرتب ہو گا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ انسان اس عمل کو کیسے کرتا ہے یعنی سنت کے مطابق کرتا ہے یا سنت کے خلاف؟ اس میں کوشش اور ہمت کرتا ہے یا اس میں سستی کرتا ہے؟ تو یہ مطلب ہے احتساباً کا کہ احتساب میں انسان کو اپنی نیت اور اپنے عمل کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ تو بس یہی بات ہے۔ لہذا

اگر کوئی شخص صحیح نیت کے ساتھ آپ ﷺ کے طریقے پر ہمت کے ساتھ، خوش دلی کے ساتھ رمضان مبارک کا مہینہ گزارے جس طرح کہ فرمایا گیا ہے تو اس کے گزشتہ گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔ اللہ جل شانہ ہم سب کو توفیق عطا فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

جمعۃ المبارک کا بیان

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ ۝
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرہ ۱۸۳)

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کر دیئے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقوی پیدا ہو"۔

"عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِیِّ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ آخِرَ یَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ فَقَالَ: یَآ أَیُّھَا النَّاسُ إِنَّہٗ «قَدْ أَظَلَّکُمْ شَھْرٌ عَظِیْمٌ شَھْرٌ مُبَارَکٌ فِیْہِ لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِنْ أَلْفِ شَھْرٍ فَرَضَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ وَ جَعَلَ قِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا، فَمَنْ تَطَوَّعَ فِیْہِ بِخَصْلَۃٍ مِّنَ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ أَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ، وَ مَنْ أَدّٰی فِیْہِ فَرِیْضَۃً کَانَ کَمَنْ أَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَۃً، وَ ھُوَ شَھْرُ الصَّبْرِ، وَ الصَّبْرُ ثَوَابُہُ الْجَنَّۃُ، وَ ھُوَ شَھْرُ الْمُوَاسَاۃِ، وَ ھُوَ شَھْرٌ یُّزَادُ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ فِیْہِ، مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا کَانَ لَہٗ عِتْقُ رَقَبَۃٍ وَّ مَغْفِرَۃٌ لِّذُنُوْبِہٖ» قِیْلَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَیْسَ کُلُّنَا یَجِدُ مَا یُفَطِّرُ الصَّائِمَ قَالَ: «یُعْطِی اللّٰہُ ھٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰی مَذْقَۃِ لَبَنٍ أَوْ تَمْرَۃٍ أَوْ شَرْبَۃِ مَآءٍ وَ مَنْ أَشْبَعَ صَائِمًا کَانَ لَہٗ مَغْفِرَۃٌ لِّذُنُوْبِہٖ وَسَقَاہُ اللّٰہُ مِنْ حَوْضِیْ شَرْبَۃً لَّا یَظْمَأُ حَتّٰی یَدْخُلَ الْجَنَّۃَ وَکَانَ لَہٗ مِثْلُ أَجْرِہٖ مِنْ غَیْرِ أَنْ یُّنْقَصَ مِنْ أَجْرِہٖ شَیْئًا، وَھُوَ شَھْرٌ أَوَّلُہٗ رَحْمَۃٌ وَّ أَوْسَطُہٗ مَغْفِرَۃٌ وَّ آخِرُہٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ، وَ مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْکِہٖ فِیْہِ أَعْتَقَہُ اللّٰہُ مِنَ النَّارِ"۔
(ابن أبی أسامۃ، الحارث بن محمد بن داھر، بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث، حدیث نمبر: ۱۲۳)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ ۝

ترجمہ: "سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ہمیں شعبان کے آخری دن میں خطبہ ارشاد فرمایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تم پر عظمت اور برکت والا ایک مہینہ سایہ فگن ہے، جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینہ کے روزوں کو اللہ نے فرض کیا ہے اور اس کی رات میں قیام کرنے کو نفل قرار دیا ہے، جو شخص اس ماہ میں کسی بھی نیکی کے ساتھ نفل ادا کرے گا، وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے اس کے غیر میں فرض ادا کیا، اور یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے، یہ ہمدردی کا مہینہ ہے اور یہ ایسا مہینہ ہے کہ جس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے، جس شخص نے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دیا تو وہ اس کے لیے اس کی گردن کی آزادی ہو گی اور اس کے گناہوں کی مغفرت ہو گی۔ کہا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے ہر شخص کے پاس ایسی چیز نہیں ہے کہ جس سے وہ روزہ دار کو افطار کرائے! تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ثواب اللہ اس کو بھی عطا فرماتا ہے جو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی کے ساتھ کسی کو افطار کرائے۔ اور جس نے کسی روزہ دار کو سیراب کر دیا تو یہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا سبب ہو گا اور اللہ اس کو میرے حوض سے اتنا پانی پلائے گا کہ جنت میں داخل ہونے تک اسے پیاس نہیں لگے گی اور اس کے لیے روزہ دار کے برابر اجر ہو گا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر میں کمی کی جائے، اور یہ ایسا مہینہ ہے کہ جس کا اول حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ جہنم سے آزادی ہے، اور جس شخص نے اس مہینہ میں اپنے غلام سے (کام میں) تخفیف کر دی تو اللہ اس کو جہنم سے آزاد کر دے گا"۔

الحمد للہ! اللہ پاک ہم پر بہت بڑا فضل فرمانے والے ہیں، بلکہ اللہ کا فضل ہم پر ہو چکا ہے، کیوں کہ اللہ پاک کے لئے ماضی، حال اور مستقبل برابر ہوتے ہیں۔ اللہ کا فضل یہ ہے کہ اللہ جل شانہ ہمیں بہت جلد ایسا مہینہ عطا فرمانے والے ہیں جو نیکیاں کمانے کے لحاظ سے، اللہ پاک کے قریب ہونے کے لئے، اپنے گناہوں کو دھونے کے لئے اور نفس کی اصلاح کے لئے بہترین مہینہ ہے، جس مہینہ کے لئے آپ ﷺ منتظر رہتے اور جب رجب کے مہینہ کا چاند دیکھتے تو یہ دعا فرماتے:

"اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ"۔ (مجمع الزوائد، حدیث نمبر: ۴۷۷۴)

ترجمہ: "اے اللہ! ہمیں رجب اور شعبان میں برکت عطا فرما دے اور ہمیں رمضان شریف تک پہنچا دے"۔

رمضان شریف تک پہنچنا آپ ﷺ کی آرزوں میں سے ایک آرزو ہوتی تھی۔ کیا ہم لوگوں کے دلوں میں بھی آج کل یہ آرزو پائی جاتی ہے کہ رمضان شریف تک ہم پہنچ جائیں؟ آپ ﷺ کی سنتوں پر چلنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی سنتوں پر عمل کیا جائے، ظاہری سنتیں تو یہ ہیں کہ ہم ظاہری اعمال آپ ﷺ کی سنت کے مطابق کریں، نماز آپ ﷺ کے طریقہ پر پڑھیں، روزہ آپ ﷺ کے طریقہ پر رکھیں، زکوٰۃ آپ ﷺ نے جس طریقے پر دینے کا حکم فرمایا ہے، اس طریقہ پر دیں، حج آپ ﷺ کے طریقہ پر ادا کریں، معاملات، معاشرت اور اخلاق سب چیزیں آپ ﷺ کے طریقہ پر ہوں۔ یہ تو ظاہر کی سنتیں ہیں۔ اور باطن کی سنت یہ ہے کہ آپ ﷺ جن چیزوں کو پسند فرماتے تھے ہم بھی ان چیزوں کو پسند کریں، جن چیزوں سے آپ ﷺ نفرت فرماتے تھے ان سے ہم بھی نفرت کریں۔ اللہ جل شانہ نے ہمیں بہت پیارے نبی عطا فرمائے ہیں اس لیے ہمیں دل و جان سے آپ ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ کی ایک سنت یہ بھی ہے کہ رمضان کا انتظار کیا جائے۔

رمضان شریف میں کیا ہے؟ یہ میں اور آپ نہیں جانتے۔ ہم لوگوں کی مثال اندھوں کی سی ہے کیوں کہ ہم ایمان بالغیب رکھتے ہیں اور ایمان بالغیب کا معنی یہ ہے کہ جس چیز کو دیکھا نہ ہو، جس چیز کا مشاہدہ نہ کیا ہو، اس کو کسی بتانے والے کے بتانے کی وجہ سے مان لیا جائے۔ بتانے والا کون ہے؟ وہ اللہ پاک کے محبوب، رحمۃ اللعلمین، حضرت محمد ﷺ ہیں۔

آپ ﷺ نے رمضان کے بارے میں کیا فرمایا؟ یہ بات میں ابھی عرض کرنے لگا ہوں۔ بتانے والے ایک صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ شعبان کے آخری دن آپ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا، الحمد للہ اس سنت پر بھی عمل ہو گیا، اللہ کا شکر ہے، کیوں آج شعبان کا آخری دن ہے۔ شعبان کے آخری دن میں آپ ﷺ نے خطبہ دیا، اس خطبہ میں فرمایا: اے لوگو! تم پر ایک عظیم مہینہ سایہ فگن ہونے والا

ہے، جو مبارک مہینہ ہے اور اس مہینہ میں ایک رات ہے جو لیلۃ القدر کہلاتی ہے، لیلۃ القدر کیا ہے؟ لیلۃ القدر وہ رات ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے یعنی ایک شخص نے لیلۃ القدر میں صرف ایک پارہ پڑھ لیا، وہ ایسا ہے کہ جیسے ہزار مہینے ہر رات کے اندر ایک پارہ پڑھا ہو۔ سبحان اللہ! ستائیسویں کو لیلۃ القدر کا امکان زیادہ ہوتا ہے، یہ نہیں کہ صرف ستائیسویں کو لیلۃ القدر ہوتی ہے، لیلۃ القدر کسی بھی طاق رات میں ہو سکتی ہے بلکہ جفت راتوں میں بھی امکان ہوتا ہے کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر کو طاق راتوں میں تلاش کرو۔ یہ نہیں فرمایا کہ لیلۃ القدر طاق راتوں میں ہی ہے، البتہ زیادہ امکان طاقوں راتوں میں ہے۔

ستائیسویں رات کو لیلۃ القدر کا سب سے زیادہ امکان ہوتا ہے، پھر باقی طاق راتوں میں اور پھر سب سے آخر میں جفت راتوں میں بھی اس کا امکان پایا جاتا ہے۔

سمجھانے کے لئے عرض کرتا ہوں، ویسے تو اللہ کو معلوم ہے کہ کیا حقیقت ہے؟ صرف سمجھانے کے لئے عرض ہے کہ ستائیسویں رات کو لیلۃ القدر کا سو فیصد میں سے ساٹھ فیصد امکان ہے، باقی طاق راتوں میں تیس فیصد اور جفت راتوں میں دس فیصد امکان ہے۔ اگر لیلۃ القدر جفت رات میں آ گئی تو امکان تو تھا، اگرچہ دس فیصد ہی سہی لیکن امکان تو بہر حال تھا، آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ دس فیصد کا یہ مطلب ہے کہ لیلۃ القدر چھ سالوں میں ستائیسویں رات کو، تین سالوں میں باقی طاق راتوں میں اور ایک سال جفت راتوں میں ہوتی ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے، یہ ممکن ہے۔

اب میں آپ کو یہی بات ایک دنیا کی مثال سے عرض کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ دنیا کی باتیں لوگوں کو بہت جلد سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ ایک شخص کسی جگہ ملازمت کے لئے گیا، اس کو بتایا گیا کہ دس دن نوکری ہے، ہر دن آپ کو ہزار روپے ملیں گے، لیکن ایک دن ایسا ہے کہ جو آپ کو بتایا نہیں جائے گا لیکن اگر آپ نے اس دن بھی کام کر لیا تو آپ کو ایک ارب روپے ملیں گے۔ اپنے دل سے پوچھیں کہ اگر آپ لوگوں کے پاس یہ موقع ہو تو آپ کتنے دن کام کریں گے؟ پورے دس دن۔ کیوں کہ ارب روپے چھوڑنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ اب ایک آدمی کہے کہ میں نے تو نو دن کام کیا تھا، میں نو ہزار روپے کا کیا کروں؟ تو اس کو یہی کہا جائے گا کہ بھائی! آپ کو پہلے بتایا تو تھا، آپ

بھی اس دن میں کام کر لیتے، آپ کو کس نے روکا تھا؟ بس یہی بات ہے۔ رمضان کی آخری دس راتوں میں ستائیسویں رات کو بھی لیلۃ القدر کا امکان، طاق راتوں میں بھی امکان اور جفت راتوں میں بھی امکان ہوتا ہے۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ہم ہر رات میں شب بیداری کریں، کیوں کہ آپ ﷺ کی یہی سنت ہے، آپ ﷺ خود بھی آخری عشرہ میں شب بیداری فرماتے تھے اور باقی خاندان والوں کو بھی جگاتے تھے، یہ بھی سنت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہمیں یہ کام بھی کرنا چاہیے۔

ہمارے شیخ مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں طریقہ یہ تھا کہ آخری عشرے میں جب راتیں لمبی ہوتیں تو تین مرتبہ قرآن ختم کیا جاتا، چھ راتوں میں ایک ختم، ستائیسویں رات کو دوسرا ختم اور اٹھائیسویں اور انتیسویں رات کو تیسرا ختم کیا جاتا۔ اگر ستائیسویں رات جس میں لیلۃ القدر کا امکان سب سے زیادہ ہے یعنی دس سالوں میں چھ مرتبہ لیلۃ القدر ستائیسویں رات میں ہونے کا امکان ہے، ایک قرآن ختم کیا جاتا تو اس کی برکت سے حضرت اور ان کے ساتھیوں کو ہر مہینہ نہیں بلکہ ہزار مہینوں تک ہر رات کے اندر ایک ختمِ قرآن کا ثواب مل رہا تھا۔ سبحان اللہ!

میں حضرت کی بات اس لیے کر رہا ہوں کہ حضرت کے ہاں کا یہ معمول میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، یہ آنکھوں دیکھی چیز کی گواہی دے رہا ہوں، جو لکھی ہوئی چیزیں ہیں وہ تو بہت زیادہ ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی آپ بیتی پڑھیں، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کا رمضان، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا رمضان، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا رمضان اور حضرت مولانا خلیل احمد سہانپوری رحمۃ اللہ علیہ کے رمضان کا کچھ مطالعہ تو کریں۔

خدا کے بندو! اپنے بزرگوں کی سوانح حیات پڑھا کرو، انہوں نے کیسی عجیب زندگی گزاری ہے، کیا ہم بھی اسی طرح زندگی گزار رہے ہیں یا ہم صرف سوتے رہیں گے؟ میں آپ کو صحابہ کی باتیں بتاتا لیکن ان کے بارے میں لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ تو بڑے لوگ تھے، ہم ان کی طرح کیسے ہو سکتے ہیں؟ شیطان نے ہمیں بہت آسانی کے ساتھ ڈاج کرنے (دھوکہ دینے) کے لئے ایک بات سمجھا دی ہے کہ وہ تو بڑے لوگ تھے، کہاں وہ اور کہاں ہم؟ ہم کیسے ان کی طرح کر سکتے ہیں؟ لیکن یہ تو میں اِس دور

کی بات کر رہا ہوں، اِس دور میں بھی اللہ کا شکر ہے کہ ایسے لوگ موجود ہیں، الحمد للہ! اللہ نے مجھے بڑے عجوبے دکھائے ہیں، حضرت کی بات تو بتا دی ہے، ایک آدمی الحمد للہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو ایک لاکھ طواف کر چکا تھا، الحمد للہ ایسے پہلوان لوگ موجود ہیں اور وہ بالکل ہشاش بشاش بیٹھے ہوئے تھے، مجھے کہا گیا کہ آپ جا کر ان کو چائے پلا دیں، میں ان کو چائے پلانے کے لئے حرم شریف میں گیا تو ان حضرت کے ساتھ بات چیت بھی ہو گئی، الحمد للہ۔ مقصد یہ ہے کہ دنیا میں عجیب عجیب لوگ ہیں، کیا ہم ان جیسے نہیں ہو سکتے؟ بل گیٹس ہونا تو بہت سارے لوگ چاہتے ہیں، بھائی! بل گیٹس کی کتنی دولت اس کے کام آئی؟ بتائیں کہ کتنی دولت اس کے کام آ رہی ہے؟ اس کی کتنی دولت ہے؟ یہ میں نہیں کہہ رہا، اگر پوری دنیا بھی اس کی ہو تو میں کیا کروں؟ لیکن اس کے کام کتنی دولت آ رہی ہے؟ یہ بتائیں۔

لیکن جس شخص نے اس رات میں ایک ختمِ قرآن کیا تو یہ رات پوری کی پوری اس کو کام آئے گی، اس کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہو گا، لیکن یہ چیزیں ہم حاصل نہیں کرنا چاہتے، ہمیں حاصل کرنی چاہئیں، یہ ہمارے لئے پیغام ہے کہ ہمیں یہ چیزیں حاصل کرنی چاہئیں۔

اللہ والو! آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ بہت کام آئے گی۔ ان شاء اللہ۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک قرب بالفرائض ہے اور ایک قرب بالنوافل، قرب بالفرائض کے بارے میں فرمایا کہ اس سے بڑی چیز کوئی نہیں اور قرب بالنوافل کے بارے میں فرمایا کہ اس کے ذریعے بندہ ترقی کرتا رہتا ہے، کرتا رہتا ہے، کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، میں اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔

وہ لوگ بھی بیوقوف ہوں گے جو نوافل کے لئے فرض چھوڑ دیں گے، کیوں کہ اس حدیث کا پہلا حصہ بتا رہا ہے کہ قربِ خدا حاصل کرنے کے لیے فرض سے بڑی چیز کوئی نہیں ہے۔ اور وہ لوگ بھی بیوقوف ہوں گے جو فرض کے لئے نفل چھوڑ دیں گے، لہٰذا وہ شخص محرومی کی طرف جا رہا ہے جو فرض پر قانع ہو کر نفل چھوڑ دے کیوں

کہ نوافل کا فائدہ یہ ہے کہ اگر فرضوں میں کمی رہ گئی تو نفل کے ذریعے پوری کر دی جائے گی۔ کیا خیال ہے کہ ہمارے سارے فرائض مکمل ہیں؟ کیا فرائض کے معاملے میں اطمینان ہے؟ کیا ہمیں نوافل کی ضرورت نہیں ہو گی؟ ظاہر ہے کہ ہمیں ضرورت ہو گی، اب اگر اسی بنیاد پر میں عرض کروں کہ دن میں جتنے فرائض ہیں، کم از کم اتنے نوافل تو پڑھنے چاہئیں، ان شاء اللہ فائدہ ہی ہو گا، نقصان تو نہیں ہو گا۔ نفل نمازوں کی سردار تہجد کی نماز ہے۔ تہجد کی نماز کیا ہے؟ سبحان اللہ ایسی عجیب نماز ہے کہ اس کے ساتھ ہمارا دین اور دنیا دونوں وابستہ ہیں، تہجد کے بارے میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ تہجد کے وقت اللہ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ "ہے کوئی تکلیف میں مبتلا شخص کہ میں اس کی تکلیف دور کروں؟ ہے کوئی پریشان حال کہ میں اس کی پریشانی دور کروں؟ ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اس کی مصیبت دور کروں؟ ہے کوئی ایسا؟ ہے کوئی ایسا؟" مسلسل یہ آواز لگ رہی ہوتی ہے، آج اگر کمی ہے تو ان چیزوں پر اعتقاد کی کمی ہے، میرے پاس لوگ اپنے اپنے مسائل لے کر آتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ ان کی اپنی سمجھ بوجھ ہے۔ میں ان کو کہتا ہوں کہ تہجد کی نماز کے بعد اللہ پاک سے مانگو۔ جب میں یہ کہتا ہوں تو مجھے اس طرح دیکھتے ہیں جیسے میں نے ان کے ساتھ مذاق کیا ہے، میں گپ شپ نہیں کر رہا، واقعتاً وہ مجھے اس طرح دیکھتے ہیں جیسے میں نے ان کے ساتھ مذاق کیا ہے یا ان کو ٹال دیا ہے یا ان کو کچھ دینا نہیں چاہتا حالاں کہ صحابہ کا طریقہ تو یہی تھا اور آپ ﷺ فرماتے ہیں: "مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ"۔ (سنن ترمذی، حدیث نمبر ۲۶۴۱) جس راستے پر میں چلا ہوں، جس پر میرے صحابہ چلے ہیں وہی راستہ راہِ نجات ہے۔ آپ بتائیں صحابہ میں کتنے عامل تھے؟ صحابہ کے عاملوں کے کوئی نام معلوم ہیں؟ لیکن تہجد کے وقت نماز میں کھڑے ہونے والے کتنے صحابہ تھے؟ با قاعدہ ان کا ذکر قرآن کی سورۃ مزمل میں آیا ہے۔ لہٰذا ہم صحابہ کے طریقے پر چلیں کیوں کہ صحابہ کے طریقے کو راہِ نجات بتلایا گیا ہے کہ "مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ"۔ یعنی جس راستے پر میں چلا ہوں، جس راستے پر میرے صحابہ چلے ہیں وہ راہِ نجات ہے۔ اگر یہ بات میں سمجھ لوں تو مجھے اپنے مسائل کو حل کرنے کے لئے کیا کرنا چاہیے؟ اللہ کے حضور کھڑا ہونا چاہیے، دعا کرنی چاہیے، مانگنا چاہیے۔ جتنی عاجزی سے مانگو گے اتنی

ہی کامیابی ہے، اللہ سے مانگو، سب سے پہلی چیز جو اللہ سے مانگو، وہ ہدایت مانگو کیوں کہ سب سے اعلیٰ اور ارفع چیز جو دنیا میں ہو سکتی ہے وہ ہدایت ہے۔ اور ہدایت کی دعا تو ہمیں اس طرح سکھائی گئی ہے کہ اسے ہر شخص کر ہی لیتا ہے، سورۂ فاتحہ میں ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ·صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ،غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾۔ (الفاتحہ: 5-6)

ترجمہ: "ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما، ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا، نہ کہ ان لوگوں کے راستے کی جن پر غضب نازل ہوا ہے اور نہ ان کے راستے کی جو بھٹکے ہوئے ہیں"۔

یہ دعا ہم روزانہ کتنی دفعہ کرتے ہیں؟ ہر رکعت کے اندر یہ دعا کرنی ہوتی ہے، اگر یہ دعا نہیں کی تو نماز ناقص ہو گی۔ اب بھی آپ اشارہ نہیں سمجھے! ہدایت بہت بڑی چیز ہے، اگر یہ چیز رہ گئی تو سب چیزیں رہ گئیں۔ آپ نے ساری عمر بادشاہت میں گزاری لیکن ہدایت نہیں ملی تو سب ختم۔ سارے لوگ آپ کے ہاتھ چوم رہے ہوں، آپ کی عزت کر رہے ہوں، آپ کے آگے پیچھے چل رہے ہوں، اگر ہدایت نہیں ملی تو کچھ بھی حاصل نہ ہوا، سارا کچھ ضائع ہو گیا اور اگر ہدایت مل گئی تو سب کچھ حاصل ہو گیا۔ حدیث شریف موجود ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: کچھ ایسے بھی اللہ کے بندے ہیں جو میلے کپڑوں والے، پراگندہ بالوں والے، پریشان حال، راستے پر چلیں تو کوئی ان کو سلام نہ کرے، اگر کسی کو مشورہ کرنا ہو تو کوئی ان کو مشورہ میں نہ بلائے لیکن اللہ کے ہاں ان کا مقام یہ ہو گا کہ اگر وہ کسی چیز کے لئے اللہ پاک پر قسم کھائیں تو اللہ پاک ان کی لاج رکھتے ہوئے قسم کو پورا کر دے گا۔ یہ ہے ہدایت۔ لہٰذا اگر ہدایت مل گئی تو بے شک آپ کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ ہو، آپ کے پاس ذرّہ بھی نہ ہو، پھر بھی آپ کے پاس سب کچھ ہے کیوں کہ آپ کے پاس اللہ ہے اور اگر ہدایت نہیں ملی تو کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ وقت گزر جائے گا، سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔

اب میں ذرا آپ حضرات سے پوچھتا ہوں کہ کتنے لوگ ہیں جو سورۂ فاتحہ نماز میں پڑھتے ہیں، اس بات کی طرف کبھی بھی ذہن گیا ہو؟ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کے اندر میں کیا مانگ رہا ہوں؟ کبھی ذہن اس بات کی طرف گیا؟ بلکہ اس آیت کو

اس طرح پڑھتے ہیں کہ یاد بھی نہیں ہوتا کہ میں نے کیا پڑھا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ان چیزوں سے غافل ہیں، اس لیے ان چیزوں کے بار بار تذکرے ہونے چاہئیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اللہ پاک کے فضل و کرم سے بہت کچھ معلوم تھا لیکن اپنے اعمال کو تازہ رکھنے کے لئے ایک دوسرے سے ان چیزوں کے تذکرے کیا کرتے تھے، ان کے ہاں دنیاوی تذکرے نہیں ہوتے تھے، وہ تو معلوم نہیں کب اور کس وقت دنیاوی باتیں کرتے تھے؟ لیکن ایمان کے تذکرے، اعمال کے تذکرے، آپ ﷺ کی صحبت کے تذکرے اور آپ ﷺ کی فرمائی ہوئی باتوں کے تذکرے آپس میں صبح شام ہوتے رہتے تھے۔ ٹھیک ہے کہ ہم آپ ﷺ کے دور میں نہیں ہیں، یہ صحیح ہے، ہم وہ نہیں ہیں لیکن مجھے بتائیں کہ آپ ﷺ کی احادیث شریفہ موجود ہیں یا نہیں؟ جب احادیث موجود ہیں تو یہ احادیث آپ ﷺ کے تذکرے ہیں، کبھی کبھی ہم آپس میں احادیث شریفہ کے تذکرے کر لیا کریں۔ ابھی ما شاء اللہ تذکرہ ہی ہو رہا ہے۔ حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

"فَمَنْ تَطَوَّعَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ"

رمضان کے مہینہ میں اگر کوئی شخص نفل کام کرے تو ایسا ہے جیسا کہ اس نے فرض کام کر لیا۔ مثلاً: کوئی شخص نفل نماز پڑھ لے تو ایسا ہے کہ جیسے اس نے فرض پڑھ لیے۔ یہ کون فرما رہے ہیں؟ آپ ﷺ فرما رہے ہیں۔

"وَمَنْ أَدّٰى فِيْهِ فَرِيْضَةً كَانَ كَمَنْ أَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ"

اور جو شخص رمضان میں کوئی فرض کام کر لے تو ایسا ہے جیسے اس نے دوسرے دنوں میں ستر فرض ادا کیے۔ ہم الحمد للہ ہر روز پانچ فرض نمازیں پڑھتے ہیں، اس کے بدلے میں ہمیں پچاس نمازوں کا ثواب ملتا ہے، رمضان شریف میں ہمیں سات سو فرض نمازوں کا ثواب ملے گا۔ ان شاء اللہ۔

"وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ"

اور یہ صبر کا مہینہ ہے، سبحان اللہ۔ جب رمضان صبر کا مہینہ ہے تو اللہ پاک نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرہ:153)

ترجمہ: "بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

لہذا جو روزہ دار ہیں، ان کے ساتھ اللہ ہے۔ سبحان اللہ۔

"وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ"

اور صبر کا اجر جنت ہے۔

"وَهُوَ شَهْرُ الْمُوَاسَاةِ"

اور یہ خیر خواہی کا مہینہ ہے، ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے ساتھ خیر خواہی کرے، بغض و کینہ اور اس قسم کی دوسری چیزیں رمضان شریف میں ہم اپنے دلوں سے نکال دیں۔

بعض لوگوں نے فرض کر لیا ہے کہ زکوٰۃ رمضان شریف میں نکالتے ہیں حالاں کہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے، جس وقت کسی شخص پر پہلی مرتبہ زکوٰۃ فرض ہوئی یعنی سال گزر گیا تو بس وہی تاریخ زکوۃ کی تاریخ ہے، وہ شخص اسی تاریخ کو زکوٰۃ نکالے، رمضان شریف کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن لوگوں نے فرض کر لیا ہے کہ رمضان شریف میں ہی زکوٰۃ نکالتے ہیں۔ خیر! یہ تو علمی بات ہے، اس کی اصلاح فرما دیجئے گا۔

لیکن ابھی میں یہ عرض کرتا ہوں کہ رمضان شریف کے آنے سے پہلے پہلے ہم اپنے دلوں کو کینہ سے، حسد سے اور بغض وغیرہ سے صاف کر لیں۔

"وَهُوَ شَهْرٌ يُّزَادُ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ فِيْهِ"

اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں مؤمن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

"مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهٗ عِتْقُ رَقَبَةٍ وَّمَغْفِرَةٌ لِّذُنُوْبِهٖ"

جس شخص نے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا، پہلے خیر خواہی کے بارے میں بتا دیا کہ جس نے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا، اس کو کیا ملے گا؟ آگے اس کے بارے میں فرمایا:

"كَانَ لَهٗ عِتْقُ رَقَبَةٍ"

اس کی گردن آگ سے آزاد کر دی جائے گی۔

"وَمَغْفِرَةٌ لِّذُنُوْبِهٖ"

اور اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ سبحان اللہ یہ کتنے بڑے اجر والے اعمال ہیں!

"وَكَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُّنْقَصَ مِنْ أَجْرِهِ شَيْئًا"

افطار کروانے والے کو جو اجر ملے گا، وہ روزہ دار کے ثواب سے کاٹ کر نہیں ملے گا بلکہ افطار کروانے والے کو الگ سے اتنا ثواب دیا جائے گا جتنا روزہ دار کو ثواب حاصل ہو گا یعنی روزہ دار کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی کیوں کہ اللہ پاک کے پاس اجر کے بڑے خزانے ہیں۔

اب صحابہ کرام کی زندگی دیکھیں، سبحان اللہ۔ صحابہ کرام کیا پوچھ رہے ہیں؟ افطار کروانے کا اجر تو سن لیا لیکن عاجزی سے کہہ رہے ہیں۔

"قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ"

کہا گیا: یا رسول اللہ!

"لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يُفَطِّرُ الصَّائِمَ"

ہم میں سے تو ہر شخص کی تو یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو روزہ افطار کرائے، اکثر صحابہ غریب تھے، آپ حیران ہوں گے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی غریب صحابہ میں تھے، اتنے غریب تھے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی کے کھیت کے لیے بطور ملازم پانی نکال رہے تھے، ایک ڈول پانی نکالتے تو اس پر ایک کھجور ملتی، جب ایک چلو بھر کھجوریں ہو گئیں تو آپ نے ڈول رکھ دیا، اس نے کہا کہ ابھی تو بہت کام باقی ہے، آپ مزید کما سکتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بس میرے لیے یہ کھجوریں کافی ہیں۔ سبحان اللہ۔ کیسے عجیب حضرات تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسے حضرات صحابہ بھی غریب تھے، آپ ﷺ سے صحابہ کرام پوچھ رہے ہیں کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کے پاس اتنی استطاعت نہیں ہے کہ ہم لوگوں کو روزہ افطار کرا سکیں، اللہ اکبر اللہ پاک کا فضل دیکھیں، فرمایا:

"يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ أَوْ تَمْرَةٍ أَوْ شَرْبَةِ مَآءٍ"

یہ ثواب تو اللہ پاک ان کو بھی عطا فرما دیتا ہے جو ایک گھونٹ دودھ کے ساتھ یا ایک کھجور کے ساتھ یا تھوڑے سے پانی کے ساتھ کسی کا روزہ افطار کرائیں۔ یہ اللہ پاک کا فضل ہے۔

پھر فرمایا:

"وَمَنْ أَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَّا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ"

جس شخص نے کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلایا تو اس کو میرے حوضِ کوثر سے پانی پلایا جائے گا۔ واہ جی واہ۔ یہ لفظ دل سے کہنا چاہیے، معلوم نہیں کہ کونسا وقت قبولیت کا ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتیں تقسیم ہو رہی ہوں۔

فرمایا: اس کو میرے حوض سے پانی پلایا جائے گا، اس کے بعد جنت میں داخل ہونے تک اس کو پیاس نہیں لگے گی، یہی تو پیاس لگنے کا وقت ہے، اس کے بعد تو پیاس ہے ہی نہیں، جنت میں اگر کوئی داخل ہو گیا تو پھر کیا پیاس؟ اُدھر تو عیش ہی عیش ہے۔ سبحان اللہ۔

آگے فرمایا:

"وَهُوَ شَهْرٌ أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ"

اور یہ وہ مہینہ ہے جس کا اول حصہ رحمت ہے۔

"وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ"

اور اس کا دوسرا حصہ مغفرت ہے۔

"وَآخِرُهُ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ"

اور اس کا آخری حصہ جہنم سے خلاصی کا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم سے خلاصی نصیب فرمائے۔ دیکھیں! یہ دعا ہم نمازوں میں کرتے ہیں: "وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ"۔ میں علماء کرام سے درخواست کرتا ہوں کہ کم از کم نماز کا ترجمہ اپنے مقتدیوں کو اچھی طرح سکھائیں بلکہ مستحضر کرا دیں تاکہ ان کو سوچنے کی ضرورت نہ رہے، وہ ان الفاظ کو ایسے پڑھیں جیسا کہ اپنی زبان میں کہہ رہے ہیں، اس کا کیا فائدہ ہو گا؟ ان کی نمازیں نمازیں ہو جائیں گی، ان کو علم ہو گا کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں، جیسے میں نے سورۂ فاتحہ کے بارے میں عرض کیا کہ سورۂ فاتحہ میں ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ یہ الفاظ کون نہیں پڑھتا؟ جو بھی نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہو رہی، لیکن کس کو علم ہے کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں؟ اور بہت سی باتیں ہم لوگوں کو سکھاتے ہیں، ان کے ساتھ نماز کا ترجمہ بھی سکھا دیں۔

"وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ أَعْتَقَهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ"

اور جو شخص اس مہینہ میں اپنے غلام، خادم یا باندی کا کچھ بوجھ ہلکا کرے گا تو اللہ اس کو معاف کر دے گا اور اس کو جہنم سے خلاصی عطا فرمائے گا۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اب میں اس پوری بات کا لبِ لباب مختصراً عرض کرتا ہوں، رمضان شریف کا مہینہ الحمد للہ بالکل قریب ہے، پہلے سے ہی نیت کر لیں کہ ہم نے اس ماہ میں نیکیاں کمانی ہیں اور اس ماہ میں نیکیاں کمانا کوئی مشکل نہیں، صرف نیت کرنی ہے اور ہمت کرنی ہے۔

اب میں آپ کو ایک بات بتاؤں۔ روزہ تو الحمد للہ ہم سب رکھتے ہیں، پس ہم ان روزوں کو حقیقی روزہ بنا لیں، کیسے بنائیں؟ تین چیزوں سے۔

الحمد للہ تین چیزوں (کھانا، پینا اور مباشرت) سے تو ہم روزہ کی وجہ سے رک جاتے ہیں، صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک وہ تین کام ہم نہیں کرتے لیکن وہ چیزیں جو پہلے سے حرام ہیں، ان کو بھی ہم چھوڑ دیں مثلاً جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، غیبت کرنا، کسی مسلمان کو ستانا، کسی کا مذاق اڑانا۔ یہ ساری چیزیں رمضان شریف کے مہینہ میں ہم چھوڑ دیں، اگر کوئی صاحب آپ کے ساتھ لڑنے لگے تو اس کے ساتھ بھی وقت ضائع نہ کریں بلکہ اس کو کہہ دیں کہ میں روزہ دار ہوں، میرے پاس ان چیزوں کے لئے وقت نہیں ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ان کو کہہ دو: "اَنَا صَائِمٌ"۔ "میں روزہ دار ہوں۔" اس طریقے سے کیا ہو گا؟ اس طریقے سے یہ ہو گا کہ ان شاء اللہ ہمارا روزہ روزہ ہو جائے گا اور جب روزہ روزہ ہو جائے گا تو خدا کی قسم اس سے نفس کی اصلاح ہو جائے گی کیوں کہ روزہ اللہ پاک نے تقویٰ کے حصول کے لیے فرض کیا ہے۔ اللہ پاک خود فرماتے ہیں: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرہ:381)

ترجمہ: "تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو"۔

اگر کسی کو ایمان کے ساتھ تقویٰ حاصل ہو گیا تو یہ بات یقینی ہے کہ وہ آدمی ولی اللہ ہے کیوں اللہ پاک نے خود فرمایا ہے: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ (یونس:26)

ترجمہ: "یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں، ان کو نہ کوئی خوف ہو گا، نہ وہ غمگین ہوں گے، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیے رہے"۔

ان کے پاس کیا ہو گا؟ ان کے پاس ایمان اور تقویٰ ہو گا۔ سبحان اللہ۔ ایمان تو الحمد للہ ہمیں حاصل ہے، اس پر ہمیں بہت ہی شکر ادا کرنا چاہیے اور تقویٰ ہم حاصل کر لیں، تقویٰ روزہ سے حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے، اگر ہم نے صحیح معنوں میں روزہ رکھ لیا، رمضان کی تراویح دل سے ادا کی اور اس کو بوجھ نہ سمجھا تو ہم اس ماہ میں بہت کچھ کما سکتے ہیں۔ اگر آپ کسی کو سونے کی کان پر لگا دیں اور ان سے یہ کہہ دیں کہ تیس دن آپ اس میں سے جتنا سونا نکال سکتے ہیں، نکالیں، مجھے بتائیں وہ کتنا سونا نکالے گا؟ کیا ایک تولہ نکالے گا؟ یہ ساری چیزیں تو دنیا میں رہ جائیں گی مگر روزہ سے جو آپ کو حاصل ہو گا وہ آپ کے ساتھ جائے گا لہٰذا رمضان سے جتنا ثواب حاصل کر سکتے ہیں کر لیں، رمضان شریف کا مہینہ سونے کی کان کی مانند ہے۔

آخر میں آپ کو ایک خطرناک بات بتاتا ہوں، بتانا مجبوری ہے اور وہ خطرناک بات یہ ہے کہ اللہ پاک کے فضل سے ہی سب کچھ ملے گا اور جو شخص اللہ کے فضل کی ناقدری کرے تو اس کا کیا بنے گا؟ میں نہیں کہتا کیوں کہ ہمارا تو اتنا منہ ہی نہیں کہ ہم اس بارے میں بات کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے، آپ ﷺ نے ممبر پر چڑھتے ہوئے تین دفعہ آمین کہا، صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! آج آپ نے ممبر پر چڑھتے ہوئے تین دفعہ آمین کہا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: "جبرئیل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ میں دعا کرتا ہوں، آپ اس پر آمین کہیے۔ پہلی دفعہ جبرئیل علیہم السلام نے کہا: جس شخص کو رمضان شریف کا مہینہ نصیب ہوا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی، اللہ اس کو تباہ و برباد کر دے۔ میں نے کہا: آمین۔ دوسری دفعہ جبرئیل علیہم السلام نے کہا: جس شخص کے والدین زندہ ہوں اور وہ ان کی خدمت سے جنت نہ حاصل نہ کر سکے تو اللہ اسے تباہ و برباد کرے۔ میں نے کہا: آمین۔ تیسری دفعہ میں جبرئیل علیہم السلام نے کہا: جس شخص کے سامنے آپ ﷺ کا نام لیا جائے اور وہ درود شریف نہ پڑھے تو وہ تباہ و برباد ہو جائے۔ میں نے کہا: آمین۔" یہ بات میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ یہ نیکیاں کمانے کے مواقع ہیں، درود شریف کے بہت فضائل ہیں، ماں

باپ کی خدمت کے بہت فضائل ہیں، رمضان شریف کے بہت فضائل ہیں، یہ سب اللہ جل شانہ کے فضل کا نظارہ ہیں، اگر کوئی شخص اللہ کے اس فضل کی نا قدری کرے گا تو سزا بھی بہت سخت ہے۔

یاد رکھو سائیکل سے اگر کوئی گرے تو تھوڑی سی خراش آئے گی، کار وغیرہ سے گرا تو شاید بچ جائے اور اگر کوئی شخص جہاز سے گرے تو کیا اس کے بچنے کا امکان ہوتا ہے؟ بس یہی بات ہے کہ رمضان شریف سے فائدہ نہ اٹھانا جہاز سے گرنے کی طرح ہے۔ اس لیے آج پوری ایمانداری کے ساتھ عہد کر لیں کہ اس رمضان شریف کو ہم نے اپنے لیے مغفرت کا ذریعہ بنانا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ بنانا ہے، تقریریں بہت ہیں، تقریریں ہو جائیں گی، تقریروں سے کیا ہوتا ہے؟ تقریریں صرف یاد دہانی کر سکتی ہیں، اصل تو عمل ہے، عمل سے انسان کو سب کچھ ملتا ہے۔ "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" (بخاری شریف، حدیث نمبر: 1) اگر آپ لوگوں نے عمل کا ارادہ کر لیا تو یہ ارادہ بھی نوٹ ہو جائے گا، ارادہ کا ثواب تو آپ کو ابھی مل جائے گا، اس کے بعد اگر اللہ پاک کی طرف سے توفیق ہو گئی اور عمل نصیب ہو گیا تو اس صورت میں اجر بھی مل جائے گا۔

میں اپنے گزشتہ گناہوں سے تعلق ختم کرنے کے لیے کچھ الفاظ کہتا ہوں، آپ سب بھی میرے ساتھ وہ الفاظ دہرا لیں، ان شاء اللہ العزیز یہ بھی ہمارے لیے نوٹ ہو جائیں گے۔

اے اللہ! ہم تمام گناہوں سے توبہ کرتے ہیں، خواہ وہ چھوٹے ہیں یا بڑے، مجھے معلوم ہیں یا نہیں، مجھ سے قصداً ہوئے ہیں یا خطاء سے، ظاہر کے گناہ ہیں یا باطن کے۔ اے اللہ! مجھے معاف کر دے، آئندہ کے لئے ان شاء اللہ میں گناہ نہیں کروں گا، اگر غلطی سے گناہ ہو گیا تو فوراً توبہ کروں گا۔ اے اللہ! مجھے صالحین میں سے بنا دے، صالحین کا ساتھ نصیب فرما اور صالحین کے ساتھ اٹھا۔ آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ اَمَّا بَعْدُ ۞ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ ۞

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞

تعلیمات مجددیہ کے درس میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریف سے ماخوذ مضامین بیان کئے جاتے ہیں۔ ان شاء اللہ آج کا درس ہم دفتر سوم کے مکتوب نمبر 12 سے شروع کر رہے ہیں، جس میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دعا و تضرع و آہ و زاری و تلاوتِ قرآن اور طویل قیام کے فوائد کے بارے میں ذکر فرما رہے ہیں۔

دو چیزیں ہیں: (1) اللہ جل شانہٗ کے ساتھ براہ راست تعلق کے اسباب۔ (2) اللہ جل شانہٗ کے ساتھ بالواسطہ تعلق کے اسباب۔ مثلاً اگر میں دین کا کوئی کام کر رہا ہوں، کسی مدرسہ میں بیٹھا درس و تدریس کر رہا ہوں، تبلیغی جماعت میں چل رہا ہوں، جہاد میں ہوں یا کوئی اور دین کی خدمت کر رہا ہوں، خدمتِ خلق کر رہا ہوں تو یہ سب بالواسطہ تعلق کے اسباب ہیں، لیکن یہ تمام دینی کام اصل میں دینی کام تب بنیں گے، جب اللہ کے ساتھ میرا بلا واسطہ تعلق مضبوط ہو گا۔ کیونکہ وہ بلا واسطہ تعلق ہی میرے ان دینی کاموں کے اندر جان اور روح کا کام دے گا۔ میرا اللہ جل شانہٗ کے ساتھ جتنا بلا واسطہ تعلق مضبوط ہو گا، میرے دینی کام اتنے زیادہ اللہ کے لئے خالص رہیں گے، ورنہ پھر دنیا درمیان میں آ جائے گی۔ اگر اللہ پاک کے ساتھ میرا ذاتی تعلق کمزور ہے تو دین کے جو کام بھی میں کر رہا ہوں گا، ان میں دنیا کا اثر رہے گا، ان میں کچھ نہ کچھ میری دنیا کی بات رہے گی، جس کی وجہ سے ان میں کمزوری آ جائے گی، حالانکہ وہ دین کا کام ہی ہو گا، یہ نہیں کہ دین کا کام نہیں ہو گا۔ لیکن ایک ہی جماعت ہو یا ایک ہی مدرسہ ہو یا ایک ہی دیہات کا پورا نظام ہو، اس کے اندر کسی کا تعلق بہت اچھا ہو گا، کسی کا تعلق بہت کم ہو گا، ہر ایک کو اس کا فائدہ تعلق کی بنیاد پر ملے گا۔ یہاں حضرت یہی بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بلا واسطہ تعلق مضبوط کرنا کتنا

ضروری ہے۔ حضرت دفتر سوم مکتوب نمبر 12 میں فرماتے ہیں:

دعا و تضرع و آہ و زاری و تلاوتِ قرآن اور طویل قیام کے فوائد

متن:

(1) آپ نے لکھا تھا کہ حضرت حق سبحانہٗ کی بارگاہ میں دعا و تضرع وزاری اور ہمیشہ التجا میں رہنا بہتر ہے یا ذکر میں مشغول رہنا، یا ان سب چیزوں کو ذکر میں شامل کر دینا بہتر ہے؟

جواب:

میرے عزیز ذکر کے بغیر چارہ نہیں اور اس کے ساتھ جو کچھ بھلائیاں جمع ہو جائیں تو دولت و نعمت ہے۔ (مشائخ نے) وصولِ (الی اللہ) کا مدار ذکر پر رکھا ہے۔ دوسری چیزیں ذکر کے ثمرات و نتائج ہیں۔

تشریح:

سبحان اللہ! حضرت نے یہ ایک اور پیرایہ بیان فرمایا ہے۔

متن:

(2) نیز آپ نے دریافت کیا ہے کہ ذکرِ نفی و اثبات (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ) تلاوتِ قرآن اور نماز میں طولِ قیام، ان تینوں میں کون سی چیز بہتر ہے؟

جواب:

ذکرِ نفی و اثبات وضو کی طرح ہے جو نماز کے لئے شرط ہے۔ جب تک طہارت درست نہ ہو نماز کا شروع کرنا منع ہے اسی طرح جب تک نفی کا معاملہ انجام تک نہ پہنچ جائے اس وقت تک فرائض و واجبات اور سنن کے علاوہ جو کچھ بھی نفلی عبادات کریں سب وبال میں داخل ہیں۔

تشریح:

حضرت نے ساری چیزوں کو بہت مضبوط ضرب لگائی ہے۔ دینی کام تو بعد کی بات ہے، جو براہ راست اعمال ہیں ان کے بارے میں بھی بات ہو گئی کہ ان کے اندر بھی تب فائدہ ہو گا جب اپنا نفس درمیان سے نکل جائے گا۔ جب تک نفس درمیان سے

نہیں نکلا اس وقت تک میرے نوافل کچے ہوں گے۔ اس لئے بعض مشائخ ان چیزوں کو روک بھی دیتے ہیں، کیونکہ شیطان یہ ناٹک چلا سکتا ہے کہ اس کا رخ نوافل کی طرف کر لے کہ تو اتنی نفلیں پڑھ رہا ہے، تو اتنا کما رہا ہے وغیرہ وغیرہ، تو عین ممکن ہے کہ اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دے جو اس کے لئے عُجب کا ذریعہ بن جائے۔

یوں سمجھ لیں کہ اس میں حضرت نے جو بات فرمائی ہے وہ ذکرِ ثوابی اور ذکرِ علاجی والی بات ہے۔ ذکر ثوابی میں طویل قیام بھی ہے، تلاوت قرآن بھی ہے، درود شریف بھی ہے، یہ ساری چیزیں آ جاتی ہیں۔ لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ علاجی ذکر وضو کی طرح ہے۔ جب تک وضو نہ ہو، اس وقت تک آپ کو اس کی اجازت نہیں ہو گی۔ اس وجہ سے فرمایا کہ جب تک نفی انجام تک نہ پہنچ جائے، یعنی انسان کا نفس درمیان میں حائل نہ رہے اس وقت تک فرائض و واجبات اور سنن کے علاوہ دیگر عبادات ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ (کیونکہ فرائض و اجبات تو لازم ہیں، یہ آپ نے کرنے ہی کرنے ہیں، اس کے لئے آپ انتظار تو نہیں کر سکتے کہ میری تربیت ہو گی تو پھر کروں گا، فرائض پڑھوں گا، وغیرہ) لہٰذا نوافل یا نفلی اعمال کے لئے نفس کو درمیان سے مکمل طور پر نکالنے کی ذمہ داری پوری کرنی پڑے گی۔ اگر نفس درمیان سے نہیں نکلا تو فرائض و واجبات و سنن کے علاوہ جو کچھ بھی نفلی عبادات ہیں، چونکہ وہ نفس کے لئے ہو جائیں گی اس لئے وہ سب وبال میں داخل ہیں۔

متن:

پہلے اپنے مرض کو دُور کرنا چاہیے جو کہ ذکر نفی و اثبات پر وابستہ ہے۔ اس کے بعد دوسری عبادات و حسنات میں مشغول ہونا چاہیے جو کہ بدن کے لئے صالح غذا کی طرح ہیں۔ مرض کے دور ہونے سے پہلے جو غذا بھی کھائیں وہ فاسد و مفسد ہوں گی۔

مصرع

ہرچہ گیرد علّتی عّلت شود

ترجمہ: "جو کچھ مریض کھائے وہ بھی مرض بڑھائے۔"

اس مکتوب کے آخر میں والدہ محمد امین کے لئے تحریر فرماتے ہیں کہ

متن:

ہر وقت آخرت کے احوال کو مدِ نظر رکھ کر دائمی ذکر میں مشغول رہنا چاہیے۔ یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ ذکر میں لذت تمام پیدا ہو اور کچھ چیزیں نظر آئیں یہ تو سب کچھ لہو و لعب میں داخل ہیں۔

تشریح:

یعنی وہی کشفیات وغیرہ میں پڑنا۔ جیسے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اگر آپ نے یہ ذہن میں رکھا ہوا ہے کہ آپ کو اس میں کچھ ذوق و شوق حاصل ہو گا تو آپ نے غلطی کی کہ آپ نے مجھ سے بیعت کر لی۔ آپ مجھ سے پہلے ہی پوچھ لیتے کہ میں ان چیزوں کے لئے ذمہ دار ہوں یا نہیں؟ میں آپ کے لئے انتظام کروں گا یا نہیں؟ ہمارے ہاں ان چیزوں کا انتظام نہیں ہے۔ آپ ابھی بھی اپنی رائے بدل سکتے ہیں۔ آگے یہی فرماتے ہیں۔

متن:

ذکر میں جس قدر بھی مشقت ہو بہتر ہے۔ پنج وقتی نماز ادا کر کے باقی اوقات کا ذکرِ الٰہی جل شانہ کے ساتھ معمور رکھیں اور ذکر سے لذت حاصل کرنے کے پیچھے نہ پڑیں، اور آپ کی خدمت کو غنیمت جان کر آپ کی رضا جوئی میں مشغول رہیں، اور آپ کو بھی لازم ہے کہ ان کے پاس اکثر جایا کریں اور بہت نرمی و محبت سے ان کو اپنی طرف مائل کریں اور نیکیوں کی طرف رہنمائی کریں۔ والسّلام

تشریح:

حضرت نے کتنے زبردست انداز میں اس بات کو بیان فرمایا ہے کہ نفلی اعمال براہِ راست اللہ کے تعلق کو حاصل کرنے والے اعمال ہیں۔ آن کا دار و مدار بھی ذکرِ علاجی پر ہے۔ آج کل اسی چیز کو یہ سمجھ کر نکال دیا گیا ہے کہ اس کی ضرورت نہیں ہے، لوگ اس بارے میں غفلت کی طرف مائل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ کبھی کبھی خواتین مجھے فون کرتی ہیں یا میسج بھیجتی ہیں کہ تیسرا کلمہ، درود شریف، استغفار والا ذکر تو باقاعدگی سے ہو رہا ہے لیکن مراقبہ نہیں ہو رہا۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ آخر شیطان آپ کو مراقبہ لئے اتنی آسانی سے کیسے چھوڑے گا؟ اس کو پتا ہے کہ آپ شیطان کے چنگل سے اسی کے ذریعے بچیں گی۔ اس لئے اس نے سارا زور

اس پہ لگانا ہے کہ آپ مراقبہ نہ کریں، باقی کام آپ چاہے جتنے زیادہ کر لیں، اسے کوئی مسئلہ نہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت بے شک اتنی کر لیں کہ دن میں دو قران پاک ختم کر لیں، ایک لاکھ مرتبہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" پڑھ لیں، درود شریف پڑھ لیں، شیطان کو اسے ضائع کرنے کا طریقہ آتا ہے۔ آپ کے دل میں عُجب ڈال دے گا کہ میں نے اتنا ذکر کر لیا، لیکن ذکر علاجی سے آپ کو روکے گا کیونکہ اس سے آپ کا تعلق اللہ کے ساتھ بنتا ہے اور دل کی صفائی ہوتی ہے۔

حضرت نے اس میں ایک اور بات "ذکر نفی و اثبات" کے متعلق بھی فرمائی ہے، ذکر نفی و اثبات کیا ہے؟ نفی و اثبات کے ذکر پہ حضرت کے کئی مکتوبات شریف ہیں، نفی و اثبات سے مراد یہ ہے کہ نفس کے شر کو اپنے آپ سے دور کرنا، دنیا کی محبت کو دل سے نکالنا۔ "لَآ اِلٰہَ" نفی کہلاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے تعلق کو حاصل کرنا اور تقوی پیدا کرنا، یہ "اِلَّا اللّٰہ" ہے۔ بنیادی چیزیں یہی دو ہیں۔ یہ دو دو کی جوڑیاں ہیں، جیسے نور و ظلمت کی جوڑی ہے اسی طرح فجور و تقوی کی جوڑی ہے۔ آپ فجور کو ختم کر دیں اور تقوی کو پیدا کر لیں۔ ظلمت کو دور کر لیں اور نور کو پیدا کر لیں۔ ظلمت کو "لَآ اِلٰہ" سے دور کیا جاتا ہے اور "اِلَّا اللّٰہ" سے نور کو لایا جاتا ہے۔

سبق کا تکرار

دفتر اول کے مکتوب نمبر 146 میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

متن:

وہ سبق جو آپ نے حاصل کیا تھا اس کے تکرار سے اپنے وقت کو معمور رکھیں اور فرصت کو ضائع نہ کریں ایسا نہ ہو کہ دنیائے فانی کا کر و فر آپ کو بھٹکا دے اور چند روزہ کی شان و شوکت آپ کو بے مزہ کر دے۔ بیت

ہمہ اندر زمن بتو اینست
کہ توطفلے و خانہ رنگین است

بس یہی ایک نصیحت تجھے تو ہے ناداں، زمانہ ہے رنگیں۔

تشریح:

یعنی کہ انسان بھول جاتا ہے، ان چیزوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور یہ چیزیں بہت زیادہ ہیں۔ وہ آپ کو اپنے آپ کی طرف مائل کرنے کے لئے کافی چیزیں لئے ہوئے ہیں۔ کسی نے کہا ہے:

اس دل کے ٹکڑے ہزار ہوئے
کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا

یعنی دنیا کی چاہت کی چیزیں بہت زیادہ ہیں، کوئی کسی طرف گیا اور کوئی کسی طرف گیا، ان تمام سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

متن:

یہ کس قدر بڑی نعمت ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے کسی بندے کو عنفوانِ شباب (جوانی) میں توبہ کی توفیق عطا کر دے اور اس پر استقامت بخشے۔ کہہ سکتے ہیں کہ تمام دنیا کی نعمتیں اس نعمت کے مقابلے میں ایسی ہیں جیسا کہ دریائے عمیق کے مقابلے میں شبنم کا قطرہ۔ کیونکہ وہ نعمت حق تعالیٰ سبحانہ کی رضا مندی کا موجب ہے جو کہ تمام دنیوی و اخروی نعمتوں سے بڑھ کر ہے ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (توبہ ۷۲)

ترجمہ: "اور اللہ کی طرف سے خوشنودی تو سب سے بڑی چیز ہے۔"

اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کر لے۔

تشریح:

کہتے ہیں:

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبریست
وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیز گار

یعنی جوانی کے اندر توبہ کرنا پیغمبری کا طریقہ ہے۔ چنے ہوئے لوگ ایسا کرتے ہیں، بڑھاپے میں تو بھیڑیا بھی پرہیز گار بن جاتا ہے۔ جوانی میں اگر انسان کو اپنے نفس کے شر سے بچنا نصیب ہو جائے تو یہ بہت بڑی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرما دے۔

اگلا موضوع "حضرات خواجگان نقشبندیہ کے نزدیک یاد داشت کے معنی" کے بارے میں ہے۔ اصل میں ہر گروہ کی کچھ اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں۔ جیسے دوازدہ تسبیح (بارہ تسبیح) چشتی حضرات کے نزدیک ایک اصطلاح ہے۔ چشتی حضرات کے سامنے اگر آپ دوازدہ تسبیح کہہ دیں گے تو وہ فوراً سمجھ جائیں گے کہ اس کا مطلب بارہ تسبیح ہے۔ اسی طرح نقشبندی حضرات سے اگر آپ نسبت یاد داشت کا تذکرہ کریں تو ان کو پتہ ہوتا ہے کہ نسبت یاد داشت کیا چیز ہے؟ اگر کسی نقشبندی کو نہیں پتا تو یہ اس کی کمزوری ہے کہ وہ اپنے طریقہ کو نہیں جانتا۔

متن:

دفتر اول مکتوب نمبر 151 میں حضرات خواجگان نقشبندیہ کے نزدیک یاد داشت کے معنی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقے کی فضیلت و بزرگی اور یاد داشت کے معنی کے بیان میں جو ان بزرگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

از ہر چہ میرد و سخن دوست خوشتراست

دوست کی بات کہیں سے ہو بہت اچھی ہے۔

حضرات خواجگان قدس اللہ تعالی اسرارہم کے طریقے میں یاد داشت سے مراد حضورِ بے غیبت ہے۔

تشریح:

یعنی اللہ کی یاد میں انقطاع (discontinuity) نہیں ہوتا۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کبھی یاد ہے، کبھی نہیں ہے۔ یاد داشت کا معنیٰ "مسلسل یاد رکھنا" ہے۔ یاد داشتن: یاد رکھنا، یاد داشت: یاد رکھا ہوا، یہ نقشبندی حضرات کی ایک اصطلاح ہے اور واقعتاً یہ بہت بڑی نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔

متن:

یعنی شیونی و اعتباراتی حجابات درمیان میں حائل ہوئے بغیر حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا دائمی حضور حاصل ہو۔

تشریح:

کبھی اس میں غیبت نہ آئے، یہ یاد داشت ہے۔

متن:

(اس کو یاد داشت کہتے ہیں) اور اگر کبھی حضور ہو کبھی غیبت، یعنی کبھی تو سب کے سب پردے اٹھ جائیں اور کبھی درمیان میں حائل ہو جائیں جیسا کہ تجلی ذاتی برقی میں ہوتا ہے کہ برق کی طرح تمام پردے حضرت حق تعالی کے سامنے سے مرتفع (اٹھ) ہو جاتے ہیں اور پھر جلد ہی شیون و اعتبارات کے پردے چھا جاتے ہیں۔ پس ایسا حضور ان بزرگوں کے نزدیک مقامِ اعتبار سے ساقط ہے، لہذا حضور بے غیبت کا حاصل یہ ہوا کہ تجلی ذاتی برقی جو شیون و اعتبارات کے وسیلے کے بغیر حضرتِ ذات جل شانہ کے ظہور سے مراد ہے اور جو اس راہ کی انتہا میں میسر ہوتی ہے اور فنائے اکمل کو اسی مقام میں ثابت کرتے ہیں وہ بھی دائمی ہو جائے اور حجابات ہرگز رجوع نہ ہوں، اور اگر (حجابات) رجوع کریں تو حضور غیبت سے بدل جائے گا اور اس کو یاد داشت نہ کہیں گے لہذا ثابت ہوا کہ ان اکابر کا شہود اتم و اکمل طریقے پر ہے اور فنا کا اکمل و بقا کا اتم ہونا شہود کے اتم و اکمل ہونے کے اندازے کے مطابق ہے۔

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

چمن کو دیکھ کے اس کی بہار کو سمجھو۔

تشریح:

میں پہلے بھی اس پر کافی عرض کر چکا ہوں۔ الحمد للہ ہمارا طریقہ جمع سلاسل کا طریقہ ہے۔ اس پر تمام سلاسل کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ ہم الحمد للہ تمام سلاسل کی بات کرتے ہیں۔ جیسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی یقین کے ساتھ کہے کہ میں مومن ہوں، ان شاء اللہ ساتھ نہ کہے۔ اگر کوئی کہے کہ ان شاء اللہ میں مومن ہوں تو یہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ایمان کسی وقت بھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ ایمان میں شک نہیں ہو سکتا اور ان شاء اللہ کا لفظ شک کے لئے آتا ہے، اس وجہ سے یہ ٹھیک نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ "ان شاء اللہ میں مومن ہوں" یہ

کہنا اس لئے ضروری ہے کہ آخری حالت کا کیا پتا؟ خود حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی چونکہ حنفی ہیں تو عقائد کے باب میں حضرت بیان کر چکے ہیں کہ ان شاء اللہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ شک کا پہلو رکھتا ہے۔ یہ کچھ Technical details ہوتی ہیں۔ یہ مسئلہ بھی اسی طرح ہے کہ آیا مستقل طور پر تجلی ذاتی کا ظہور دائمی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ نقشبندی حضرات کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے اور کچھ حضرات کہتے ہیں کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اس کو کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

گر نیست غیبتے نہ دہد لذت حضور

اگر غیبت نہ ہو تو حضور کی لذت کہاں ملے گی؟ رات نہیں ہو گی تو دن کی قدر کیسے ہو گی؟ ﴿وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا﴾ (النّبآء: 01-11)

ترجمہ: "اور رات کو پردے کا سبب ہم نے بنایا، اور دن کو روزی حاصل کرنے کا وقت ہم نے قرار دیا۔"

اس وجہ سے عملی طور ایسا ہو جاتا ہے کہ کبھی استتار ہوتا ہے، کبھی ظہور ہوتا ہے اور کبھی حضور ہوتا ہے۔

یہ مسئلہ اختلافی ہے، لہذا ہم اس میں نہیں پڑتے، کیونکہ ہمارے لئے دونوں ٹھیک ہیں، صرف تشریح کا فرق ہے۔ اگر کسی کو دائمی ہو جائے تو سبحان اللہ کس نے روکا ہے؟ لیکن بہرحال یہ احوال ہیں اور احوال تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ واقعتاً آدمی مکمل حضور برداشت نہیں کر سکتا، اللہ جل شانہٗ کی طرف سے انتظام ہوتا ہے کہ کسی کو کتنا رکھتے ہیں، کسی کو کتنا رکھتے ہیں۔ چونکہ نقشبندی حضرات کے اپنے تجربات ہیں اس لئے وہ اس قسم کی بات ارشاد فرماتے ہیں۔

متن:

دفتر اول کے مکتوب نمبر 187 میں مرید کے لئے رابطہ ذکر سے زیادہ مفید ہے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ مرید کو تکلف اور بناوٹ کے بغیر اپنے شیخ (پیر) کے ساتھ رابطہ

حاصل ہونا پیر اور مرید کے درمیان اس کامل مناسبت کی علامت ہے جو افادہ و استفادہ (فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے) کا سبب ہے اور وصول الی اللہ کے لئے رابطہ سے زیادہ اقرب ترین طریق کوئی نہیں ہے، دیکھیں کس دولت مند کو اس سعادت سے بہرہ مند کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز "فقرات" میں تحریر فرماتے ہیں کہ

ع:

سایہ رہبر بہ است از ذکر حق

صحبت شیخ ذکر سے بہتر۔

اس کو بہتر کہنا نفع کے اعتبار سے ہے۔ یعنی رہبر کا سایہ مرید کے لئے ذکر کرنے سے زیادہ فائدہ مند ہے کیونکہ (ابتدا میں) مرید کو ابھی مذکور (حق جل و علا) کے ساتھ کامل مناسبت حاصل نہیں ہے کہ (جس سے) وہ ذکر کے طریق سے پورا پورا نفع حاصل کر سکے، وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّآخِرًا۔

تشریح:

دودھ پینے والے بچے کو آپ روٹی نہیں کھلا سکتے۔ ابتداءً وہ دودھ ہی پیئے گا، دودھ پر ہی چلے گا، اسی دودھ کے ذریعے سے اس کو اتنی قوت حاصل ہو جائے گی کہ ایک وقت پہ وہ روٹی بھی کھا سکے گا۔ اسی طرح سالک بھی ابتدا میں اپنے شیخ پر زیادہ dependant ہوتا ہے، ان کی صحبت سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ جن کو دور ہونے کی وجہ سے صحبت کا اثر نہیں ہوتا ان کو معمولات کا اثر ہوتا ہے، ان کو معمولات سے فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن وہ اس صورت میں زیادہ فائدہ حاصل کرے گا جب پہلے اس نے صحبت اٹھائی ہو گی۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی نقشبندی حضرات کا یہی موقف راجح ہے کہ وہ صحبت کو زیادہ ضروری سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہماری نسبت، نسبتِ انعکاسی سے شروع ہوتی ہے۔ نسبتِ انعکاسی شیخ کی ہوتی ہے جس کے ذریعے طفلانِ طریقت کی تربیت ہوتی ہے۔

متن:

دفتر دوم کے مکتوب نمبر 30 میں حضرت نسبتِ رابطہ کی فضیلت بیان فرماتے ہیں۔

خواجہ محمد اشرف نے نسبت رابطہ (تصور شیخ) کی مشق کے بارے میں لکھا تھا کہ اس حد تک غالب ہو گئی ہے کہ نماز میں اس کو اپنا مسجود جانتا اور دیکھتا ہے اور اگر بالفرض اس کی نفی کرنا چاہے تو وہ رابطہ نفی نہیں ہوتا۔ اے محبت کے نشان والے! طالبان حق جل و علا اسی دولت کی تمنا کرتے ہیں مگر ہزاروں میں سے کسی ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کیفیت والا شخص صاحب استعداد اور کامل مناسبت والا ہوتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ وہ شیخ مقتدا کی تھوڑی سی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کر لے اور رابطہ (شیخ) کی نفی کی کیا ضرورت ہے کیونکہ وہ تو مسجود الیہ ہے نہ کہ مسجود لہ، محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے۔ اس قسم کی دولت کا ظہور سعادت مندوں کو حاصل ہوتا ہے تاکہ وہ تمام احوال میں صاحب رابطہ (مرشد) کو اپنا وسیلہ جانیں اور تمام اوقات میں اسی کی طرف متوجہ رہیں نہ کہ ان بد بخت لوگوں کی طرح جو اپنے آپ کو مستغنی (رابطہ شیخ سے بے نیاز) جانتے ہیں اور اپنی توجہ کے قبلہ کو اپنے شیخ کی طرف سے ہٹا لیتے ہیں اور اپنے معاملے کو خراب کر لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ نے اپنے فرزندوں کی والدہ کی وفات کی خبر لکھی تھی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ فاتحہ پڑھی گئی اور دوران فاتحہ قبولیت کا اثر محسوس ہوا۔

مولانا حاجی محمد نے اظہار کیا تھا کہ تقریباً دو ماہ گزر گئے کہ (ذکر کی) مشغولی میں کچھ سستی و خرابی واقع ہو گئی ہے اور وہ ذوق و حلاوت جو پہلے حاصل تھا اب نہیں رہا۔ اے محبت کے نشان والے! اگر دو چیزوں میں فتور نہیں آیا تو پھر کچھ غم نہیں، (1) ان میں سے ایک یہ کہ صاحب شریعت علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کی متابعت ہے۔ (2) دوسری اپنے شیخ کے ساتھ محبت و اخلاص۔ ان دونوں چیزوں کے ہوتے ہوئے اگر ہزاروں ظلمتیں اور کدورتیں (قلب پر) طاری ہو جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (انجام کے اعتبار سے) اس کو ضائع نہیں ہونے دیں گے۔ اور اگر نعوذ باللہ ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی نقصان پیدا ہو جائے تو پھر خرابی ہی خرابی ہے۔ اگرچہ حضور و جمعیت حاصل ہو، کیونکہ یہ استدراج ہے جس کا انجام خرابی ہے۔ حق سبحانہ

و تعالیٰ سے بڑی عاجزی و زاری کے ساتھ ان دونوں پر ثابت قدمی و استقامت طلب کرتے رہیں کیونکہ یہی دونوں امر اصل مقصود اور نجات کا مدار ہیں۔

تشریح:

یہ بہت اہم مکتوب شریف ہے اور میرے خیال میں اگر آج سارا بیان صرف اسی پر ہو تو بھی غلط نہیں ہو گا۔ کیونکہ یہ بہت اہم چیز ہے اور اگر اچھی طرح سمجھ نہ آئے تو اس میں غلطی کا امکان بہت زیادہ ہے۔

سب سے پہلے رابطہ کے بارے میں سمجھیں۔ "رابطہ" بھی نقشبندی حضرات کی ایک اصطلاح ہے، اس سے مراد شیخ کا تصور ہے۔ یعنی "تصورِ شیخ" اتنا پکا جائے کہ سالک کو ہر وقت یہ حاصل ہو۔

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ اس نعمت کی تمنا کرتے ہیں، لیکن نہیں ملا کرتی اور جس کو مل جائے تو اس کی بہت جلدی ترقی ہوتی ہے۔

حضرت جلالی انداز میں یہ بات فرما رہے ہیں کہ شیخ اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کروانے والا ہوتا ہے، یہ نہیں کہ اللہ کے لئے حجاب ہوتا ہے۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ میں شیخ کی طرف سجدہ کر رہا ہوں تو خدا کے بندے کبھی آپ نے سوچا ہے کہ میں منبر کی طرف سجدہ کر رہا ہوں یا دیوار کی طرف سجدہ کر رہا ہوں؟ جیسے کبھی آپ نے وہاں یہ نہیں سوچا تو یہاں کیوں سوچتے ہو؟ آپ دیوار کو سجدہ نہیں کر رہے، آپ کا تصور اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، آپ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ اگر آپ نے قبلہ کے لئے کوئی نشان رکھا ہوا ہے اور آپ اس نشان کی طرف سجدہ کر رہے ہیں، تو بنیادی طور آپ اللہ کے لئے ہی سجدہ کر رہے ہیں، اگر وہی نشان آپ کا شیخ ہو تو اس میں کیا خرابی ہے؟

حضرت نے اس بات کی یوں وضاحت کی ہے کہ ہم لوگوں کو چونکہ سب کچھ شیخ کے ذریعہ سے ملتا ہے، لہٰذا شیخ کی طرف ہمارا قلبی تعلق جتنا زیادہ سے زیادہ تصور میں ہو گا، اتنا زیادہ فائدہ حاصل ہو گا۔

یہ تصور خود بخود ہو تو ٹھیک ہے بہ تکلف نہیں کروانا چاہیے۔ اسی لئے حضرت نے فرمایا کہ کسی کسی کو ملتا ہے۔ اگر بہ تکلف کروانے سے مل جاتا ہو تو ہر ایک آدمی اس کی کوشش کرتا۔ لیکن جو خود بخود ہوتا ہے وہ محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، اگر کسی کو شیخ

کے ساتھ اتنی محبت ہو جائے تو ظاہر ہے اس کو اس کا فائدہ زیادہ ہو گا۔ اگر ہر وقت شیخ کا خیال رہے، تو اس محبت کی وجہ سے فائدہ ہوتا ہے، کیونکہ شیخ کے ساتھ محبت انسان کو باقی چیزوں سے روک دے گی۔

مثلاً ایک آدمی سینما کے شوق کی وجہ سے سینما کی طرف جانا چاہتا ہے، لیکن اس ڈر سے سینما نہیں جا رہا کہ سینما جاؤں گا تو شیخ ناراض ہو جائے گا۔ کیا خیال ہے یہ اچھی بات ہے یا بری بات ہے؟ ظاہر ہے اچھی بات ہے، کیونکہ شیخ کی محبت کی وجہ سے گناہ سے بچ گیا۔ اب اگر شیخ کی اس محبت میں کمزوری ہے اور آدمی شیخ کے لئے سینما کو نہ چھوڑ سکے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کو وہ فائدہ نہیں ہو رہا۔

بنیادی مقصد تو یہ ہے کہ انسان اللہ کے لئے سب کچھ چھوڑے، لیکن اللہ تعالی کی ذات وراء الوراء ہے وہ تو بعد میں آپ کو حاصل ہو گی۔ اس کے لئے اپنے شیخ کو چن لیا تو اس نیت کی وجہ سے اب آپ کے سارے کام اللہ کے لئے ہو گئے اور آپ شیخ کے لئے ساری چیزیں چھوڑ رہے ہیں۔ در اصل اللہ کے لئے ہی آپ نے ساری چیزیں چھوڑیں، اس کو Transition property کہتے ہیں۔

If a = b and b = c then a = c

یہی Transition property ہے۔ آپ نے شیخ کو کس کے لئے چنا؟ اللہ کے لئے۔ اب شیخ کے ساتھ جو متعلقات ہیں، وہ سارے اللہ کے لئے ہو جائیں گے۔ شیخ کے لئے جو چیز چھوڑیں گے وہ آپ اللہ کے لئے چھوڑ رہے ہیں۔ اسی کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں۔ کسی طریقے سے اپنے نفس سے نکلو، جب تک آپ نفس سے نہیں نکلیں گے تو نفس آپ کے ساتھ کھیلے گا اور آپ کو پچھاڑ دے گا۔ آپ کو نفس سے بچنے کے لئے ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہے، وہ مضبوط سہارا سب سے پہلے شیخ ہے۔ اگر آپ کا شیخ سے تعلق مضبوط نہیں ہے تو نفس آپ پر حاوی ہو جائے گا۔

نفس کی کشش ہر وقت ہوتی ہے، آپ کے پاس اس کشش سے بچنے کے لئے اسی کے برابر لیکن مخالف سمت میں طاقت (Equal and opposite force) کہتے ہیں ہر وقت ہونا ضروری ہے۔ وہ طاقت اگر آپ کو شیخ کی محبت کی صورت میں مل جائے تو پھر آپ نفس کے شر سے ہر وقت بچ سکیں گے۔ اس طریقہ سے فنا فی الشیخ مقصود

تک پہنچاتا ہے۔ فنا فی الشیخ وہ ہوتا ہے جو اپنے نفس کی ہر چیز کو اپنے شیخ کی محبت کی وجہ سے چھوڑ دے۔ جب یہ چیز حاصل کر لے تو اس کو صفائی حاصل ہو گئی اور جب نفس کی صفائی حاصل ہو گئی پھر اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ڈالیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چل پڑے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف چلا جائے گا۔ چنانچہ فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول، فنا فی اللہ ہو جائے گا۔ یہ Step by step theory ہے کہ پہلے آپ شیخ کے ذریعہ سے اپنے آپ کو نفس کے شکنجہ سے چھڑا لیں، پھر ماشاء اللہ آپ آگے چلتے جائیں گے۔

سلوک طے کرنے کا راستہ کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا راستہ یہی نفس کی مخالفت ہے۔ آپ کا نفس آپ کو اپنی مخالفت بالکل نہیں کرنے دے گا۔ پھر سلوک کیسے طے ہو گا؟ اس کے لئے نفس سے اوپر کی کوئی چیز ہونی چاہیے۔ مثلاً شیخ آپ کو کہہ دے کہ روزے رکھو۔ نفس کہتا ہے: نہیں رکھو۔ اگر آپ کا شیخ کے ساتھ تعلق ہو گا تو رکھ لیں گے تو اس کا فائدہ حاصل ہو جائے گا۔ نفس کہتا ہے: موبائل کے اندر گندی چیزیں دیکھو۔ شیخ آپ کو کہتا ہے موبائل مجھے دے دو۔ اب اگر آپ شیخ کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور آپ کا معاملہ اخلاص کا ہے تو آپ بہت آسانی کے ساتھ موبائل دے دیں گے تو بچ گئے اور اگر شیخ کے ساتھ محبت نہیں ہے تو نہیں بچ سکتے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ This is the key point۔ یہ اہم نقطہ (Key point) ہے، اس کے بغیر چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔

تصوف کے اندر مقصود اللہ تعالیٰ کا تعلق اور رضا ہے، جس کے لئے صحیح عقیدہ کے ساتھ شریعت کا اتباع ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے سب سے بڑا ذریعہ شیخ ہے، اس لئے فرمایا کہ شیخ کی صحبت ذکر سے بھی زیادہ بہتر ہے کیونکہ سب سے اہم ذریعہ وہی ہے۔ ذکر بھی تو شیخ ہی بتائے گا، اگر ذکر اس سے بہتر ہوتا تو شیخ کی ضرورت ہی کیا تھی؟ پھر صرف ذکر ہی پہ اکتفا کر لیتے۔ یہ ساری باتیں technical ہیں اور technically ان کو سمجھنا ہوتا ہے۔

آگے جا کر حضرت ایک اور بات ارشاد فرما رہے ہیں کہ اصل چیز شریعت کی اتباع اور شیخ کے ساتھ محبت و اخلاص ہے۔ اگر آپ کا شریعت پر اتباع قائم ہے اور شیخ کے ساتھ آپ کو محبت و اخلاص ہے پھر جتنی بھی ظلمتیں اور کدورتیں ہیں وہ عارضی

ہیں، ختم ہو جائیں گی۔ چونکہ رستہ موجود ہے لہٰذا یہ ختم ہو جائیں گی۔ اور اگر یہ دو چیزیں (اتباع شریعت اور شیخ کے ساتھ اخلاص و محبت) نہیں ہیں تو بے شک آپ کو انوارات و تجلیات اور اس قسم کی بظاہر بہت ساری چیزیں حاصل ہوں، یہ سب استدراج کی صورتیں ہیں۔ یہ آپ کو شیخ سے ہٹانے کے لئے ہیں، پھر اس (شیطان) کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

ایک صاحب کشف ہمارے ساتھ حج پہ تھے، انہوں نے خود اپنا واقعہ بیان کیا۔ مجھ سے کہا کہ فلاں صاحب عمرے پہ جا رہے ہیں۔ ہمارا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ عمرہ اخیر میں کرتے ہیں، اس میں فائدہ ہوتا ہے، کیونکہ رش بھی کم ہوتا ہے اور جو پہلے جانے والے ہیں، ان کو وقت بھی مل جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جن کو جلدی واپس جانا ہے، اگر آپ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں تو ان کے لئے رکاوٹ بن جائے گی۔ آپ کے پاس تو ابھی دن ہیں، آپ اخیر وقت میں کر لیں۔ ان کو اپنے وقت میں موقع مل جائے گا اور آپ کو اپنے وقت میں موقع مل جائے گا۔ اس میں ایک نظم و ضبط ہے۔ ہم اس بنیاد پر حج کے بعد اخیر میں عمرہ کرتے ہیں۔ اسی طرح روضہ اقدس پہ ریاض الجنۃ میں ہماری حاضری ہوتی ہے، وہ بھی اخیر میں کرتے ہیں، باقی اوقات ہم مسجد نبوی میں نمازیں پڑھتے رہتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو جلدی ہوتی ہے یا جلد بازی ہوتی ہے۔ ایک صاحب عمرہ پہ جا رہے تھے، انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں عمرے کے لئے ان کے ساتھ چلا جاؤں؟ مشورہ لینے والے دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ کہ جو فیصلہ خود کر لیں اور صرف کسی کی زبان سے بس ہاں سننا چاہتے ہیں اور ایک وہ کہ جو مشورہ دینے والے کے اوپر چھوڑ دیں کہ آپ فیصلہ کر لیں آپ جو چاہیں گے میں وہی کروں گا۔ اگر ہمیں پتا چل جائے کہ مشورہ مانگنے والا پہلی قسم کے لوگوں میں سے ہے تو پھر ہم اس کو کہتے ہیں: اچھا ٹھیک ہے کر لو۔ کیونکہ اس نے پہلے سے فیصلہ کیا ہوتا ہے، خواہ مخواہ ایک پریشانی کا باعث بن رہا ہوتا ہے۔ وہ صاحب بھی ایسے ہی تھے۔ جب مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا: جاؤ۔ وہ چلے گئے۔ جب عمرہ کر لیا تو شام کو میں نے اس سے پوچھا: بھئی عمرہ ہو گیا؟ کہتا ہے: ہاں ہو گیا لیکن صرف ورزش ہی کی باقی کچھ نہیں کیا۔ پھر اس نے اپنی کیفیات بتائیں، وہ کیفیات بتانے کی بھی نہیں ہیں کہ وہ

کیسی تھیں کیونکہ کشفی چیزیں ہیں۔ لیکن بہر حال اللہ پاک نے اس پر کھول دیا کہ یہ جو تونے کیا ہے اچھا نہیں کیا۔ مان کے چلتے تو فائدہ ہوتا۔ اس نے مجھے کہا کہ آئندہ میں ذرہ بھر بھی اپنے طور پہ کچھ نہیں کروں گا۔ میں توبہ کرتا ہوں۔ میں نے کہا: ٹھیک ہے ما شاء اللہ بہت اچھی بات ہے۔ کئی بار شیطان کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طریقے سے شیخ سے ہٹا دے۔ جس طرح خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں شیطان نہیں آ سکتا تو شیخ کی صورت میں بھی نہیں آ سکتا۔ شیطان کے لئے رکاوٹ ہے وہ اس رکاوٹ کو ہٹانا چاہتا ہے کیوں کہ جب شیخ سے تعلق نہیں ہو گا تو کٹ جائے گا۔ پھر میری مرضی ہے۔ کہ میں اس کے ساتھ جو چاہے کروں۔ آدمی پھر اس کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ اس وجہ سے فرمایا کہ شریعت پر اتباع اور شیخ کے ساتھ محبت و اخلاص نہ ہونے کی صورت میں جو انوارات و تجلیات ہیں، یہ سب استدراج کی صورت ہے۔ اسے ڈھیل مل رہی ہے، یہ اصل چیز نہیں ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ إِلَّا الْبَلَاغُ ۝

مقاماتِ قطبیہ ومقالاتِ قدسیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

آج کل ہمارے ہاں حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ کی کتاب "مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ" سے تعلیم جاری ہے، جو فی الاصل حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ چونکہ سفر میں بھی اللہ کا شکر ہے کہ یہ سلسلہ جاری تھا، اس وجہ سے ہمیں اس سے آگے پڑھنا ہے، لیکن سفر میں ہم لوگوں کو اتنا وقت نہیں ملا کرتا تھا کہ کما حقہٗ اس کی تفصیل ہو سکے۔ اس لئے اس کا ایک خلاصہ سا دوبارہ پیش کیا جاتا ہے، تاکہ اجمالی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس میں کیا تھا۔ جیسا کہ میں نے ایک بیان میں عرض کیا تھا کہ اصل میں تو چار چیزیں ہیں: رسول اللہ، کتاب اللہ، کعبۃ اللہ اور نماز۔ یہ چار چیزیں ایسی ہیں جن کے ذریعے سے انسان کا تعلق اللہ جل شانہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ چونکہ یہ اللہ تک پہنچانے کے سب سے بڑے ذرائع ہیں، لہٰذا جو ان کے اندر جتنی گہرائی حاصل کرے گا، اتنا ہی وہ اللہ جل شانہ کے قریب ہو گا۔ مثلاً: نماز کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی کو دسواں حصہ ملتا ہے، کسی کو اس سے زیادہ، کسی کو آدھا ملتا ہے، یوں بتاتے بتاتے فرمایا کہ کسی کو پورا ملتا ہے۔ اجر تو اپنے لحاظ سے بہت اہم ہے، لیکن جس کو نماز کی حقیقت زیادہ حاصل ہو گی، وہ اس نماز سے روحانیت زیادہ حاصل کرے گا، اللہ کا قرب زیادہ حاصل کرے گا۔ ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ﴾ (طٰہٰ: 41)

ترجمہ: "اور مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز قائم کرو"۔

لہٰذا اجر تو ملے گا، اجر میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کیونکہ ذکر جتنا زیادہ ہو گا، اجر بھی زیادہ ہو گا۔ لیکن صرف اجر نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ کچھ اور چیزیں بھی آتی ہیں، اور وہ ہے تعلق مع اللہ۔ تعلق مع اللہ جتنا زیادہ ہو گا، اس کا باقی اعمال پر بھی اثر ہو گا۔ اِس سے اُس آیتِ کریمہ کا مقام معلوم ہوتا ہے: ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ

الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (العنکبوت: 54)

ترجمہ: "بیشک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے"۔

اس میں نماز کی خصوصیت بتا دی گئی کہ یہ اس کا کام ہے کہ یہ بے حیائی اور منکرات سے روکنے والی ہے، لیکن اس کے اندر جو ذکر ہے، وہ تو بہت بڑی چیز ہے۔ یہ اضافی طور پر بتایا گیا کہ: ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ گویا اس کے multi-dimensional فوائد ہیں، اجر کے لحاظ سے بھی فائدہ ہے، ذکر یعنی اللہ کی یاد ہونے کے لحاظ سے بھی فائدہ ہے، منکرات سے بچنے کے لحاظ سے بھی فائدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لحاظ سے بھی فائدہ ہے۔ مجموعی طور پر یہ فائدہ ہے کہ اس سے اللہ پاک کا تعلق حاصل ہوتا ہے۔ جس کی نماز آپ ﷺ کی نماز کے باطناً اور ظاہراً جتنی زیادہ قریب ہو گی، اتنی ہی وہ زیادہ قُرب دلوانے والی ہو گی۔ حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نماز کیسی تھی اور اس کی کیا کیفیت تھی، حضرت حلیم گل بابا رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بھی بات کی ہے۔ اسی طرح قرآن کے بارے میں بھی بات کی ہے کہ حقیقتِ قرآن کیا ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ ہمارے سامنے کاغذ پر لکھا ہوا ہے: "الٓمٓ" اگر کوئی اس پہ انگلی رکھے کہ یہ کیا ہے؟ ہم کہیں گے کہ یہ قرآن ہے۔ لیکن یہ قرآن کے الفاظ ہیں۔ جس وقت قاری اس کو پڑھتا ہے: "الٓمٓ" اس کے دل کی کیفیت اس کے ساتھ ہو گی۔ لہٰذا اس کا دل جس حالت پر ہے، اس حالت کے ساتھ جب وہ "الٓمٓ" کہتا ہے، تو اسی حساب سے وہ قرآن سے فیض پائے گا۔ ایک آدمی بھی "الٓمٓ" پڑھ رہا ہو گا، دوسرا بھی "الٓمٓ" پڑھ رہا ہو گا، تیسرا بھی "الٓمٓ" پڑھ رہا ہو گا، تینوں کو ایک جیسا فیض نہیں ملے گا۔ اور عین ممکن ہے کہ ایک کا "الٓمٓ" بے انتہا زبردست قرات اور تجوید کے ساتھ ہو اور دوسرا بمشکل ادا کر رہا ہو، لیکن دوسرے کا مقام اللہ کے نزدیک بہت اونچا ہو۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ کیونکہ کوشش تو وہ بھی کر رہا ہے۔ اب ایک آدمی کوشش کر رہا ہے اللہ کے لئے، لیکن اس سے ہو نہیں رہا۔ اور دوسرے سے ہو رہا ہے، لیکن لوگوں کے لئے ہے۔ بتائیے! کون سا اچھا ہے؟ دوسرے سے ہو رہا ہے، بہترین آواز ہے، بہترین تجوید اور قرات؛ سب کچھ اس کے اندر موجود ہے، لیکن لوگوں کے لئے ہے اور واہ واہ کے

لئے ہے۔ یہاں بھی درمیان میں دل والی بات آ گئی۔ یہ انسان اور قرآن کا آپس میں تعامل (interaction) ہے، اس کو اس معنی میں دیکھا جائے گا۔ لیکن قرآن حقیقتاً اللہ کا کلام ہے اور اللہ کا کلام اللہ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت کو ظاہری طور پر جتنا ظاہر کرنا مناسب سمجھا، اتنا تو کیا، لیکن پورا کس پر ظاہر ہوا! یہ ہر ایک کا اپنا اپنا مقام ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کی صفت ہے، اللہ کی صفت محدود نہیں ہو سکتی کہ کہا جائے کہ بس یہاں تک ہے۔ جس پر اس کلام کی صفت کی حقیقت جتنی کھلتی ہے، وہ قرآن کی حقیقت ہے، الفاظ تو اس کی ظاہری صورت ہے۔ اس کی ادائیگی دوسری صورت ہے۔ اس کی سمجھ اس کی تیسری صورت ہے، اس سے جو اخذ کیا گیا ہے، وہ چوتھی صورت ہے۔ یہ ساری باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ ان کو الگ الگ خانوں میں دیکھا جاتا ہے اور ان سب کا مجموعی تاثر یہ ہے کہ قرآن اللہ کے قریب کرنے والا ہے، معرفت دلانے والا ہے اور پڑھنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ سے شفاعت کرنے والا ہے۔ چنانچہ جتنا جتنا کسی کا قرآن کے ساتھ مطلوبہ انداز میں تعلق ہو گا، اتنا اتنا وہ قرآن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہو گا۔ حضرت نے اس پر بھی بات فرمائی ہے۔ یہ میں اس کا خلاصہ بیان کر رہا ہوں، جو ابھی تک اس میں بیان ہوا ہے۔ کیونکہ سفر میں یہ ذرا جلدی جلدی ہوا تھا۔

متن:

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ "كُلُّ حَرْفٍ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ أَعْظَمُ مِنْ جَبَلِ قَافٍ"

تشریح:

اگر ایک عام ظاہر بین آدمی کہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس طرح کیوں کہا؟ جب کہ کوئی حرف کوہِ قاف کے برابر نہیں ہے۔ اول تو انہوں نے لوحِ محفوظ کے متعلق فرمایا ہے اور لوحِ محفوظ چھوٹی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نظر نظر کی بات ہے، کس نے دیکھا؟ کتنا دیکھا؟ کہاں دیکھا؟ کیسے دیکھا؟ یہ سب کے لئے مختلف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معرفت اِتنی ہے کہ وہ یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر جنت اور دوزخ ہمارے سامنے کی جائیں، تو ہمارے ایمانوں میں ذرہ بھر فرق نہیں پڑے گا۔ مطلب یہ

ہے کہ ان کو جنت اور جہنم پر دیکھے بغیر ایسا ہی یقین ہے جیسے کسی چیز کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کا معاملہ تو اور ہے۔

متن:

یعنی قرآن کریم کا ہر حرف لوحِ محفوظ میں کوہِ قاف سے بہت بڑا ہے۔ اور یہ لوح مسلمانوں کے سینوں میں ہے۔

تشریح:

کسی کا سینہ کتنا کھلا ہے، یہ بھی ہر ایک کا اپنا اپنا معاملہ ہے۔ جس کا سینہ جتنا کھلا ہے، اس پر اتنے مفاہیم کھلیں گے۔ بعض دفعہ بتاتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ ہم سب "اَللّٰہُ اَکْبَرْ" کہتے ہیں، لیکن "اَللّٰہُ اَکْبَرْ" کسی پہ کتنا کھلا ہے، یہ ہر ایک کا اپنا اپنا معاملہ ہے۔ رشوت دینے والے پہ "اَللّٰہُ اَکْبَرْ" کتنا کھلا ہے۔ دو لحاظ سے بات کر رہا ہوں، ایک اس کا کام اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے اللہ کر سکتا تھا۔ اس کا کام ظاہری معنوں میں پیسہ بھی کر سکتا ہے۔ اب ظاہری معنوں میں پیسہ کتنا بڑا ہے اور حقیقی معنوں میں اللہ کتنا بڑا ہے۔ اگر کسی پر اللہ کی بڑائی کھلی ہوتی، تو وہ رشوت نہ دیتا۔ اس کو رشوت دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ سود لیتا ہے کہ میرے پاس پیسہ آ رہا ہے۔ اگر پیسہ پہنچ بھی گیا، لیکن اگر اللہ نے میرے مقدر میں نہیں کیا، تو مجھ تک نہیں پہنچ سکتا، حتیٰ کہ میری جیب میں پڑا ہو گا، میرا نہیں ہو گا۔ لہٰذا جس کی اس چیز پر نظر ہو گی، وہ تو ناجائز استعمال اور ناجائز کمائی کی طرف نہیں جائے گا۔ ساری کُڑھن ہے۔ میرے پاس ایک شخص ادھر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ تین لاکھ پچھتر ہزار میری تنخواہ ہے۔ میں بینک میں ملازم ہوں۔ گاڑی اور مکان کو ملا کے تقریباً پانچ لاکھ بن جاتے ہیں، لیکن میری تنخواہ دس تاریخ کے بعد نہیں بچتی۔ دس تاریخ کے بعد میں کریڈٹ کارڈ پہ چلتا ہوں۔ یہ کیا بات ہے! میرے پاس ایک انجینئر صاحب آئے، بڑے زبردست فرم کے architect انجینئر تھے، بڑے پریشان حال تھے۔ کوئی دوست ان کو لے کے آیا تھا۔ کہتے ہیں: شاہ صاحب! معاملہ بہت خراب ہو گیا ہے۔ ساری چیزیں پھنس گئی ہیں۔ کوئی کام ٹھیک نہیں ہو رہا۔ (آج کل لوگ اس کو بندش کہتے ہیں، ہر چیز اپنی نئی اصطلاح (Terminology) کے ساتھ وجود میں آتی ہیں) کہنے لگا ایسا ہے، ایسا ہے،

کیا کریں؟ میں نے بے ساختہ کہا کہ جو بات میں کر رہا ہوں، آپ مانیں گے تو نہیں، لیکن کیا کروں، آپ نے پوچھا ہے، تو میں بتا دیتا ہوں۔ میں نے ان سے کہا: آپ کریڈٹ کارڈ تو استعمال نہیں کرتے؟ کہتے ہیں: ہمارا تو سارا کام کریڈٹ کارڈ پہ ہوتا ہے۔ میں نے کہا: پھر آپ کے مسائل کا حل یہ ہے کہ آپ کریڈٹ کارڈ سے اپنے آپ کو چُھڑا لیں۔ کہتے ہیں: شاہ صاحب! ایسا نہیں ہو سکتا، ہمارے سارے کاروبار کریڈٹ کارڈ پہ ہوتے ہیں۔ میں نے کہا: اس پہ تو میں تبصرہ ہی نہیں کروں گا، یہ میری شعبہ ہی نہیں ہے۔ کریڈٹ کارڈ کے اوپر چل سکتا ہے یا کریڈٹ کارڈ کے بغیر بھی چل سکتا ہے، یہ آپ کا کام ہے۔ میں نے آپ کو صرف آپ کے مسئلہ کا حل بتایا ہے۔ اگر آپ کرنا چاہیں، تو کوشش کر لیں، نہیں کرنا چاہتے، تو میں اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہتا، آپ کی اپنی مرضی ہے۔ بڑے ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ کہتے ہیں: چلو، میں کوشش کرتا ہوں۔ در اصل خود بدلنا پڑتا ہے اور خود بدلنا منظور نہیں ہوتا۔ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے حالات بدل جائیں، ہم نہیں بدلیں گے، جب کہ اللہ کو یہ منظور نہیں ہے۔ پہلے اپنے آپ کو بدلو گے، پھر حالات بدلیں گے۔ قرآن پاک کی آیتِ کریمہ ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ (الروم: 14)

ترجمہ: "لوگوں نے اپنے ہاتھوں جو کمائی کی، اس کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیلا"۔

لہٰذا اعمال حالات میں مؤثر ہیں۔ وہ شخص غالباً تین مہینہ کے بعد میرے پاس واپس آیا۔ کہنے لگا: شاہ صاحب! بڑی مشکل سے اپنے آپ کو کریڈٹ کارڈ سے چھڑایا ہے، پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا، ہر طرف سے مجھے باندھا ہوا تھا، لیکن کوشش کر کے چھڑا لیا اپنے آپ کو۔ اب میں کریڈٹ کارڈ سے آزاد ہوں۔ میں نے کہا: مبارک ہو، امید ہے ان شاء اللہ آپ کے مسائل حل ہو جائیں گے۔ غالباً مہینہ بھی نہیں گزارا تھا کہ بڑی خوشی خوشی میرے پاس آئے اور کہا: شاہ صاحب! کام ہو گیا۔ میں نے کہا: کیا ہو گیا؟ کہتے ہیں: سارے چیک کھل گئے، سارے راستے کھل گئے، میں نے سارے قرضے ادا کر دیئے اور حج کے لئے بھی اپلائی کر رہا ہوں۔ سبحان اللہ! دیکھو! مسئلے بھی حل کرا دیئے اور پھر مزید کے لئے بھی راستہ دے دیا۔ یہ ہے اللہ کا فضل۔ اس پہ لوگوں کو

بولنے کی جرأت نہیں ہے، یقین نہیں ہے۔ وہ اتنے خوش ہو گئے کہ ہماری ساری خانقاہ اس نے ڈیزائن کی ہے اور ہر اہم موقع پہ وہ کھڑے رہتے تھے۔ خود نگرانی کرتے ہوئے کہ میرے سامنے یہ ساری چیزیں ہوں۔ اللہ پاک نے ہمارے لئے یہ بندوبست کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے کھول دیئے۔ خدا کی طرف سے نظام ہے۔ بہرحال! جب انسان اپنے آپ کو تبدیل کرتا ہے، تو پھر راستے بنتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تو دو دو چار ہوتا ہے، حالانکہ اللہ کے ہاں ایسا نہیں ہے۔ دو دو چار ہونا اللہ کی مخلوق ہے۔ اکنامکس فیل ہو جاتی ہے، کس طرح فیل ہوتی ہے؟ ابھی آپ خود کہیں گے کہ اکنامکس فیل ہو جاتی ہے۔ مجھے بتائیے! اکنامکس میں برکت کہاں پڑھائی جاتی ہے؟ کہیں نہیں پڑھائی جاتی۔ کیا خیال ہے کہ برکت کا انکار کیا جا سکتا ہے؟ برکت ایک حقیقت ہے، جس کا حساب نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا یہ اکنامکس کا شعبہ نہیں ہے، کیونکہ اکنامکس سارا حساب (calculation) پر ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ برکت آتی ہی اس وقت ہے، جب بندے کی طرف سے calculation ختم ہوتی ہے۔ جب بندے کی طرف سے calculation ختم ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی calculation ختم ہو جاتی ہے۔ یہ چیزیں اللہ کے ساتھ ہاٹ لائن (Hot line) پر ہوتی ہیں۔ جیسے ابھی آپ نے سنا کہ اللہ پاک نے سینہ کھول دیا۔ کس کا سینہ کتنا کھول دیا؟ یہ ہر ایک کا کے لحاظ سے الگ معاملہ ہوتا ہے۔ ﴿أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ﴾ (الزمر: 22)

ترجمہ: "بھلا کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنے پروردگار کی عطا کی ہوئی رشنی میں آ چکا ہے (سنگ دلوں کے برابر ہو سکتا ہے؟)"۔

وہ نور کیا ہے؟ وہ اس کا رب ہی جانتا ہے۔ اس سے وہ کتنا دیتا ہے؟ یہ اس کا فیصلہ ہے۔ لیکن جس کو جتنا دیا ہے، اس کو اتنا نظر آئے گا۔ نور اور ظلمت دو متضاد چیزیں ہیں۔ ظلمت میں انسان کو اپنا فائدہ نظر نہیں آتا، نور میں نظر آتا ہے۔ جب انسان گناہ کرتا ہے، تو ظلمت میں جاتا ہے۔ جب انسان نیکی کرتا ہے، تو نور میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نور کی طرف لے آتا ہے اور شیاطین ظلمات کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ سب اللہ پاک نے فرمایا ہے۔ آیت الکرسی بہت بڑی حقیقت ہے۔ آیت الکرسی کے فوراً بعد یہ آیت ہے: ﴿اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ﴾ (البقرہ: 752)

ترجمہ: "اللہ ایمان والوں کا رکھوالا ہے، وہ انہیں اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے، اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، ان کے رکھوالے وہ شیطان ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر اندھیریوں میں لے جاتے ہیں"۔

یہ حقائق ہیں۔ لیکن قرآن کے یہ حقائق ہر قاری پہ نہیں کھلتے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض لوگ قرآن کو سیدھا کر کے پڑھیں گے، لیکن ان کا قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ محنتیں مختلف ہیں، کسی محنت کی مخالفت نہیں ہے، لیکن صرف ایک محنت پر قناعت کرنا در اصل دوسرے کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنیاد پر ہے۔ اور اس کا بیان کرنا ضروری ہے۔ جب تک وہ بیان نہیں ہو گی، لوگوں کو سمجھ نہیں آئے گی۔ محنتیں تو ہو رہی ہیں، قرات پہ بہت سی محنتیں ہو رہی ہیں، وہ غلط محنت نہیں ہے، صحیح محنت ہے، لیکن کیا صرف وہی محنت ہے؟ صرف وہی محنت نہیں ہے۔ اگر ہم نے ان کو دوسرا رخ دیا ہی نہیں، تو وہ اپنی قرأت کہاں استعمال کریں گے؟ ایک عالم تھے، جو مجذوب بھی تھے، حافظِ قرآن بھی تھے اور حفظ انہوں نے بڑی عمر میں کیا تھا۔ لیکن جذب جذب ہوتا ہے، مجذوب مجذوب ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض آیاتِ قرآنیہ میں سال میں صرف ایک دفعہ پڑھ سکتا ہوں، اس سے زیادہ نہیں پڑھ سکتا، ورنہ بیمار ہو جاتا ہوں۔ وہ قاری عبد الباسط صاحب کو اپنے جذب میں کہتے کہ یہ منافق ہے۔ کیونکہ وہ: ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾ (الزلزال: 1) جس طرح پڑھتے ہیں، کیا یہ اس طرح پڑھتے ہیں؟ اس پہ تو کلیجہ پھٹ جاتا ہے۔ انہوں نے عالمِ جذب میں کتنی صحیح بات کی ہے۔ قرآن کی آیاتِ تبشیر وتنذیر کا اپنا اپنا حق ہے۔ آیتِ تبشیر پہ دل کا کِھل جانا، خوش ہونا، اس سے اثر لینا، یہ اس کی حقیقت کا ادراک ہے۔ جیسے: اگر کوئی آپ کو خوشی کی خبر سناتا ہے، تو آپ پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے؟ اور اگر آپ کو کوئی غم کی یا ڈر کی خبر سناتا ہے، تو آپ پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے؟ دونوں کا اثر ایک جیسا نہیں ہوتا۔ بہرحال! جس پہ اللہ پاک کھول دے، تو اس کو بات سمجھ آتی ہے۔ قرآن کی کوئی آیت کسی کی پوری زندگی بدل دیتی ہے اور کوئی پورا قرآن پڑھ لیتا ہے اور اس کو

کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ اسی قرآن کے ذریعے لوگوں سے دھوکہ کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں آپ یہ چیز دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ پہلے ایک ڈاکو تھے۔ ڈاکہ ڈالنے کے لئے آئے تھے۔ ایک قاری یہ آیت تلاوت کر رہے تھے:

﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ (الحدید: 61)

ترجمہ: "جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، کیا ان کے لئے اب بھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے اور جو حق اترا ہے، اس کے لئے پسیج جائیں؟"۔

بس وہ ہل گئے، سارا کچھ ادھر چھوڑ دیا، توبہ کر لی اور واپس چلے گئے۔ حساب کیا کہ کس سے کتنا لیا ہے، ان کو طریقہ سے پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمارے سلسلے کے اولیاء اللہ کا سردار بنا دیا۔ وہ چشتیہ سلسلے کے سرخیل ہیں۔ دیکھیں! قرآن کی ایک آیت نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ ایک صحابی رسول ہر نماز میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے۔ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا کہ یہ ہر نماز میں سورۂ اخلاص پڑھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیوں؟ عرض کیا: مجھے اس سورۃ کے ساتھ محبت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی محبت تجھے جنت میں لے جائے گی۔ چنانچہ قرآن کے اندر بہت کچھ ہے۔ ایک ہے قرآن کی تلاوت محبت کے ساتھ سننا، اس نیت سے کہ یہ محبوب کا کلام ہے۔ دوسرا ہے قرآن کے معانی سمجھنا، تاکہ محبوب کا پیغام سمجھ میں آ جائے۔ تیسرا ہے کہ اس کے پیغام کی حقیقت کا ادراک ہو جائے اور اس سے ہم اللہ کو پہچان لیں۔ پہلا شعبہ قراء کے ساتھ ہے، دوسرا شعبہ علماء کے ساتھ ہے اور تیسرا شعبہ مشائخ یعنی اللہ والوں کے ساتھ ہے، جن کو قرآن کی حقیقت کا ادراک ہے۔

متن:

پس اے میرے بھائی! ہر عالَم میں علماءِ ربانی قرآن کریم کے جدا جدا معزز نام لیتے ہیں، اور دوسرے عالَم میں پہلا نام نہیں لیتے، بلکہ دوسرے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ایک عالَم اور ایک پردے میں اس کلام اللہ کو قرآن مجید کہتے ہیں: ﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ﴾ (البروج: 12) دوسرے پردے میں اس کو "مبین" کہتے ہیں، تیسرے میں "عظیم" کہتے ہیں، پھر چوتھے پردے میں اِس کو "عزیز" بولتے ہیں: ﴿اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ﴾ (فصلت: 14) کسی میں "کریم" کہلاتا ہے: ﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ﴾ (الواقعة: 77)

دوسرے جہاں میں ایک جگہ "حکیم" نام سے یاد کیا جاتا ہے: ﴿وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ﴾ (یٰس: 2) پس اے عزیز! قرآن کریم کے ہزار نام اس عالَم میں ہیں۔ اور عرش سے ثریٰ تک ایک عالَم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اتنے بے شمار عالَم ہیں کہ ان کی حقیقت مصطفےٰ ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

تشریح:

پس قرآن کے مفاہیم کو جاننے کا اپنا ایک میدان ہے۔ جیسے میں عرض کر رہا تھا کہ چار چیزیں ہیں: رسول اللہ ﷺ، کتاب اللہ، نماز اور کعبۃ اللہ۔ یہ سب اللہ کے ساتھ ملانے والی ہیں۔ ان میں سے جس کے ساتھ جتنا جتنا تعلق بڑھتا جائے گا، اسی قدر اللہ کے ساتھ قرب نصیب ہوتا جائے گا۔ اور پھر ان میں ایک مجموعی ربط ہے، اس کو بھی لینا پڑتا ہے۔

متن:

مطلب یہ کہ قرآن کے یہ جو کئی ہزار اسمائے مبارکہ ہیں، تم ظاہری کانوں اور سماعت سے نہیں سن سکتے۔ اگر سماعتِ باطنی رکھتے ہو یا اس کو فراہم کر سکتے ہو، تو "حٰمٓ عٓسٓقٓ" کے عالَم میں کئی نام پوشیدہ ہیں۔

تشریح:

بعض چیزیں جب دی جاتی ہیں، تو ان کی گہرائی ظاہر نہیں ہوتی اور بعض کو ان کی شان کے مطابق خصوصی گہرائی بھی دی جاتی ہے۔ اور وہ چھپ ہوتے ہیں کہ ان کی اطلاع بھی دوسروں کو نہیں دی جاتی، لیکن اس کو اطلاع مل جاتی ہے۔ ایسے لوگ ہوتے ہیں، وہ دنیا میں بھی ایسے ہیں اور اللہ کے ساتھ بھی ایسے ہوتے ہیں۔ اگر قرآن کے اندر یہ سب کچھ آ جاتا، مثلاً الٓمٓ اور حٰمٓ جیسے مقطعات کے معانی بھی قرآن میں آ جاتے تو ان کے معانی سب کے سامنے آ جاتے۔ حالانکہ ان سے مطلوب یہ ہے کہ اللہ پاک ان کو سب تک نہیں پہنچانا چاہتے۔ اس کا ایک الگ میدان ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ پرواز ہر ایک کی اپنی اپنی ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں
شاہین کا جہاں اور ہے، کرگس کا جہاں اور ہے۔

کچھ لوگوں کی پرواز یہاں تک ہے کہ ان الفاظِ مبارکہ (حروف مقطعات) کو لوحِ قرآنی کا نام دے کر اپنے گھر میں حفاظت کے لئے لٹکاتے ہیں، وہ عملیات کے رخ سے بات ہو گئی۔ ان کا قرآن سے بس اتنا ہی لینا دینا ہے۔ یہ لوگ بڑے سستے بکے ہیں۔ اور کچھ لوگ ان کی حقیقت کے ادراک میں عمریں صرف کر دیتے ہیں اور پھر اللہ پاک ان کو نوازتے ہیں اور ایسا نوازتے ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو گا، نہ کسی کان نے سنا ہو گا، نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا ہو گا۔ لیکن یہ میدان اِخفا کا ہے، کیونکہ اللہ نے چھپایا ہوا ہے۔ جیسے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "أَبْهِمُوْا مَآ أَبْهَمَ اللّٰهُ" (معرفة السنن والآثار للبيهقي، حدیث نمبر: 80831) "اس کو مبہم رکھو، جس کو اللہ نے مبہم رکھا ہے"۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو دوست دوست کا راز نہ رکھ سکے، وہ دوستی کے قابل نہیں ہے۔ بعض دفعہ ٹیسٹ کیا جاتا ہے، تھوڑا دیا جاتا ہے کہ دیکھتے ہیں کہ وہ اس کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اگر اس کو ظاہر کرے اور چھچھورا پن آ جائے کہ یہ مل گیا، وہ مل گیا، تو پھر ادھر سے یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اس کو واپس لے لیا جائے یا اس کو رہنے دیا جائے اور باقی سے محروم کر دیا جائے۔ اور یہ اس کے بعد کے اعمال پہ منحصر ہوتا ہے۔ لیکن جو بڑے ظرف والا ہوتا ہے، وہ اشارے کا منتظر ہوتا ہے۔ اگر کسی کو بتانے کی اجازت ہو، تو بتا دیتے ہیں اور اگر بتانے کی اجازت نہ ہو، تو نہیں بتاتے۔ حضرت شیخ عبد الحق رودلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے، فرمایا: "منصور بچہ بود" کہ منصور تو بچہ تھا کہ ایک گھونٹ میں مست ہو گیا۔ یہاں تو لوگ ساغر کے ساغر پی جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے۔ مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ تھوڑے میں مست ہو جاتے ہیں، بلکہ لوگ ان کے اس مست ہونے کو استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ کچھ لوگ حقیقی معنوں میں مست ہوتے ہیں اور کچھ لوگ کسی سفلی معنوں میں مست ہوتے ہیں، اچھل کود کرتے ہیں۔ جو لوگ اچھل کود چاہتے ہیں، وہ پھر ان کے پاس جاتے ہیں اور بہت آسانی کے ساتھ ان کے شکار ہو جاتے ہیں اور وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم پتا نہیں، کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ اور انہوں نے اس طرح کی باتیں بھی پھیلائی ہوئی ہیں کہ جو ولی پچاس ہزار سال محنت کرے، تو اس کو یہ چیز ملتی ہے۔ کیا چیز ملتی ہے؟ بس یہ اچھل کود ملتی ہے۔ یہاں ایک صاحب

آئے تھے، وہ کچھ ہُو ہُو کر رہے تھے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ خبر دار! ان کی طرف دیکھنا بھی نہیں، جو کرتا ہے، کرنے دو، بس نظر انداز کرو، خود ہی ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ آپ جتنا ان کو دیکھیں گے، یہ کہیں گے کہ ہم بہت کچھ ہیں۔ ہم نے کوئی پروا ہی نہیں کی، خود ہی ختم ہو گیا۔ آج کل چونکہ چھچھورا پن ہے، تھوڑے میں مست ہونے والے لوگ ہیں اور لوگ اس کو چاہتے ہیں، نتیجتاً پھر اسی پہ رہ جاتے ہیں، آگے نہیں بڑھتے۔ اگر صحیح معنوں میں بھی ہو، تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ تو صحیح معنوں میں بھی نہیں ہوتا۔

متن:

اس رمز کے بارے میں سرورِ عالمین ﷺ نے فرمایا ہے: "إِقْرَءِ الْقُرْاٰنَ وَتَفَتَّشْ غَرَائِبَهٗ" (لم أجد هذا الحديث) "قرآن مجید پڑھا کرو اور اُس کے غرائب کی تلاش کرو" مگر قرآن کریم کے غرائب تلاش کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں، یہاں تک کہ تو "أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ" (روح البيان، رقم الصفحة: 304/ دار الفكر، بيروت) کے کتب خانے تک رسائی حاصل کرے گا (یعنی رسول اللہ ﷺ) اور اُس وقت استاد "أَرِنِيْ رَبِّيْ" کے مکتب خانے میں یعنی اچھی صورت میں تجھے ادب سکھائے گا اور قرآن کو بلا کسی واسطے کے تمہارے دل پر نقش کرے گا۔

تشریح:

در اصل الفاظ کو حاصل کرنے کا اپنا پروٹوکول ہے، لیکن ان کی جو حقیقت ہے، وہ بالکل ایک جدا چیز ہے۔ حقیقت کو پورے کا پورا ایک وقت میں نقش کیا جا سکتا ہے۔ یہ بڑا مشکل مضمون ہے۔ اللہ غلطی سے بچائے۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کے اندر جو حقیقت ہے، وہ جس کے دل میں جتنا چاہے القاء فرما دے۔ قرآن کا جو پیغام ہے، وہ اس حقیقت سے نکلتا ہے۔ مثلاً: کسی کو قرآن کے الفاظ تو معلوم نہیں ہیں، لیکن قرآن کی حقیقت اس کو حاصل ہو، تو وہ فیصلہ قرآن کے مطابق کرے گا اور لوگ حیران ہوں گے، لیکن اسے حوالہ (reference) معلوم نہیں ہو گا۔ ایسے لوگوں کے صحیح فیصلے ہوتے ہیں، لیکن مستند نہیں ہوتے۔ کیونکہ مستند ہونے کے لئے اس کا پروٹوکول بھی لینا پڑتا ہے۔ ہمارے زیارت کاکا صاحب دستار استاذ نام کے ایک صاحب تھے، جب وہ

جذب میں آ جاتے، تو شروع ہو جاتے۔ بڑے بڑے علماءِ دیوبند حیرت سے ان کو سن رہے ہوتے تھے کہ یہ کہاں سے کہہ رہے ہیں۔ میں نے ان کو دیکھا تھا، اللہ دیکھاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ صرف دستار استاذ ہی نہیں ہوں گے اور بھی بہت سارے ہوں گے، لیکن ہمیں تو وہی نظر آئے، وہ تو ایک مثال ہیں۔ ایک بار پولیس والا آیا، اس کو پتا نہیں تھا، کوئی بیوقوف ہو گا۔ ویسے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ پولیس والے تو پروا نہیں کرتے۔ کسی کو مار دیا، کسی کو کچھ اور کر دیا۔ وہ تو گاؤں کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ اس نے کہا: یہ چیز دے دو۔ جیسے ہی اس نے مارا، تو اس کا ہاتھ ادھر ہی رہ گیا اور نیچے نہ جائے۔ وہ بڑا حیران و پریشان ہو گیا کہ یہ ہاتھ کیوں نیچے نہیں جا رہا۔ وہ اسی طرح ہاتھ پکڑ کے جا رہا تھا تو راستہ میں ہمارے ماموں کے ساتھ اس کی ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ کہتا ہے: پتا نہیں، یہاں کوئی آدمی تھا، اس پر میں نے ہاتھ اٹھایا، تو ہاتھ اس طرح ہو گیا۔ انہوں نے کہا: وہ دستار استاذ تو نہیں تھا؟ جب پتا کیا، تو وہی تھا۔ انہوں نے کہا: جاؤ، اس سے معافی مانگو، ورنہ یہ اسی طرح ہی رہے گا۔ وہ جا کر ان کے پاؤں پڑا، معافی مانگی، پھر اس کا ہاتھ نیچے آ گیا۔

نہ چھیڑ ان خرقہ پوشوں کو ارادت ہو، تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

بہر حال! یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے۔ میں حقیقتِ قرآن کے بارے میں عرض کر رہا تھا کہ اگر کسی پہ حقیقت کھل جائے، اس کا سینہ کھل جائے، تو جو علوم و معارف قرآن کے اندر ہیں، وہ اس کے اندر آ جائیں گے۔ پھر جب وہ بولے گا، تو لوگ حیران ہوں گے کہ یا اللہ! یہ کہاں سے بول رہا ہے؟

متن:

﴿وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (العلق: 3-5) تم اس کتب خانے میں یہ سیکھو گے کہ ﴿نٓ وَالْقَلَمِ﴾ (القلم: 1) کیا ہے؟

تشریح:

یہ آپ نے کتاب میں بھی پڑھا ہو گا، لیکن پھر جب ادھر پہنچ جاؤ گے، تو پھر

کچھ اور بھی معلوم ہو جائے گا۔

متن:

اور یہ سب کچھ تم پر جلوہ نما ہو کر تم سیکھ جاؤ گے۔

پس اے میرے محبوب! حروفِ مقطعات اسی سبب سے گویا ہیں کہ وہ محبانِ الٰہی کے ساتھ راز و نیاز کی پوشیدہ باتیں کریں۔

تشریح:

ایک صاحب تھے، جو بڑے ذہین تھے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے کسی نے لا جواب نہیں کیا سوائے ایک باندی کے۔ کسی نے کہا: وہ کیسے؟ کہتے ہیں کہ وہ ایک ٹرے لے کے جا رہی تھی، اس کے اوپر رومال پڑا ہوا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس کے نیچے کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اگر دکھانا ہوتا، تو اس کو ڈھکنے کی کیا ضرورت تھی؟ کہتے ہیں کہ میں چپ ہو گیا کہ یہ تو پوچھنے کی بات ہی نہیں تھی۔ چنانچہ حروفِ مقطعات بھی یہی اعلان ہے کہ اگر بتانا ہوتا، تو اس انداز میں کیوں لاتے۔ جس کے لئے حکم ہو جائے اور جتنا حکم ہو جائے، اتنا معلوم ہو جاتا ہے۔ آئے ہائے! سارے پیغمبر اس طرف دیکھ رہے ہیں، سارے اولیاء اس طرف دیکھ رہے ہیں، جو کوئی جتنا ادھر متوجہ ہوتا ہے، وہاں سے رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ پھر جس کی طرف جس رخ پہ رحمت متوجہ ہو جائے، تو وہ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور یہ نظام چل پڑتا ہے۔

متن:

اُن کے مطالب و معانی اور اسرار و رموز سے فرشتے اور عالمِ ملکوت سر گرداں و پریشان ہیں۔ اور نا محرم لوگ حروف کے لباس کے اندر اطلاع نہیں پاتے۔

تشریح:

یعنی نا محرم نہیں پہنچ سکتا۔ اور جو محرم ہے، تو محرموں کو جہاں تک ہوتا ہے، اندر بلا لیا جاتا ہے۔ لیکن نا محرموں کو باہر ہی سے رخصت کر دیا جاتا ہے۔ خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے، فرمایا:

مجذوب کو تو لائے ہمراہ بزم میں
اور سالکوں کو دور سے راستے دِکھا دیئے

یعنی سالکوں کو کہا کہ یہ کر لو، یہ کر لو، اس طرح ان کو کام پر لگا دیا اور جو مجذوب تھا، اس کو اپنے ساتھ بزم میں لے آئے۔

متن:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "الٓمٓ الٓمٓرٰ کٓهٰیٰعٓصٓ یٰسٓ صٓ نٓ حٰمٓ عٓسٓقٓ طٰهٰ الٓمٓصٓ" یہ سب احدیت کے نشان ہیں کہ کوئی بھی نا محرم اور اجنبیٔ ظاہر بین اللہ تعالیٰ کے اُن اسرار سے جو کہ محمد مختار ﷺ کے ساتھ ہیں، مطلع نہ ہو سکے۔ اگر کسی کو آگاہی حاصل ہو، تو وہ صرف وہ لوگ ہوں کہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ساغرِ محبت کے جرعہ نوش ہوں۔

تشریح:

یعنی جن کو آپ ﷺ نے اپنے قریب فرمایا ہو۔ اصل میں انسان باتیں نہیں کر سکتا، کیونکہ اُدھر سے بھی پابندی ہوتی ہے اور اِدھر سے بھی سمجھ نہیں آ رہا ہوتا۔ اگر کوئی بتا بھی دے، تو بھی سمجھ نہیں آتا۔ کیونکہ سمجھانا تو اللہ کا کام ہے۔ آپ ﷺ کی جو حیثیت ہے، وہ ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اولیاء اللہ نے کچھ خاص الفاظ کے ذریعے سے کسی حد تک کوشش کی ہے کہ لوگ سمجھ جائیں، لیکن چونکہ اللہ نے پردے ڈالے ہوتے ہیں، اس لئے وہ چیز جس کو جتنی سمجھ آنی ہوتی ہے، اتنی آ جاتی ہے۔ اس سے زیادہ وہ نہیں چل پاتے۔ حقیقتِ محمدی کی اصطلاح آپ نے سنی ہو گی، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آپ ﷺ شریعت کی باتیں پہنچانے والے ہیں اور وہ باتیں آپ ﷺ کے واسطے کے بغیر نہیں ہوتیں، اسی طرح تکوینی احکامات بھی آپ ﷺ کے واسطے سے چلتے ہیں۔ چونکہ تکوینیات کا شعبہ ہمیشہ محرموں والا ہوتا ہے، اس میں محرم اور غیر محرم چلتے ہیں، لہٰذا اس کو کوئی کھول نہیں سکتا۔ لیکن جو محرم ہوتے ہیں، ان کے اوپر چیزیں کھلتی جاتی ہیں۔ اور آپ ﷺ کی وہ شان کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، آپ ﷺ کی روحانیت اس میں ظاہر ہے، اس سے آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ لیکن اولیاء اللہ کو اندازہ ہوتا ہے، ان کو پتا ہوتا ہے، ان سب کے دل اس طرف جھکے ہوتے ہیں، جیسے با ادب کھڑے ہوں۔

متن:

بیت:

1۔ گر سرو سہی در ہمہ قامت خوانم
در آہوئے افتادہ بہ دامت خوانم
زیں ہر سہ بگو تا بہ دامت خوانم
کز رشک نخواہم کہ می خوانم

اگر تجھ کو تیری قامت زیبا کی وجہ سے سرو سہی کہوں، یا تجھ کو آپ کے دام میں اسیر آہو کہوں، اِن تینوں میں تم ہی کہو کہ میں تجھے کس نام سے پکاروں، کیونکہ میں رشک کی وجہ سے نہیں چاہتا کہ تجھے تیرے نام سے پکاروں۔

پس حروفِ مقطعات کو عالمِ سِر میں مجمل کہتے ہیں اور مفصل آیت: ﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ (المائدۃ: 45) میں آیا ہے۔ مجمل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ﴾ (القصص: 15) اور مفصل کے متعلق یہ بیان ہوا ہے کہ ﴿فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ﴾ (الانعام: 79) معانی کے حقائق کے ساتھ سہل و آسان کرے۔ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ (القمر: 71) بے چارے اہلِ ظواہر یعنی ظاہر بیں علماء قرآن کے پڑھنے اور قرآن کریم کی چند ظاہر چیزوں کو جاننے کے بعد اپنے آپ کو اہل اللہ، خاصۃ العلماء اور ورثۃ الانبیاء سمجھنے لگے ہیں، اور اصل میں اہل اللہ اور انبیاء کرام کے وارث وہ لوگ ہیں جو کہ کلام اللہ کی حقیقت تک رسائی حاصل کر چکے ہوں کہ ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ (النساء: 28) اِن سے حاصل ہوتا ہے، اور قرآن کریم بھی اِن کو قبول کرتا ہے، کیونکہ یہ لوگ ان اوصاف کے حق دار اور اہل ہیں، اور وہ محبوب یقینی طور پر یہ بات جانتا ہے کہ جب تک تجھے قرآن کریم قبول نہیں، تو معانی کی یہ حقیقت کبھی بھی بیان نہیں کی جا سکتی، کیونکہ دلہن کی ملاقات قبول کے بعد ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح معانی قرآن کی عروس (دُلہن) جس نے اس محبوب کو قبول کیا ہے، تم اس کی جلوہ گری اُس طرح دیکھو گے جیسا کہ محمد حسین نے اس زیبائش اور حسن

کی مشاط گری کی ہے۔ یاد رکھو! کہ قرآن کریم کسی نا محرم اور اجنبی کو شرفِ قبولیت عطا نہیں کرتا اور وہ کسی اجنبی کے ساتھ بات تک بھی نہیں کرتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم اپنے حسن و جمال کے جلوے اور حسین جلوے شرابِ محبت کے اُن مستانِ ازل کو دکھانے سے دریغ نہیں کرتا، جو کہ اُن جلوہ ہائے حسین و ہوش ربا کے اہل ہوں۔ ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ (ق: 73)

تشریح:

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ اجر دے، حضرت نے بڑے آسان آسان طریقوں سے، بعض مشکل مشکل چیزیں سمجھائی ہیں۔ مثلاً حضرت نے یہ بات کیسے سمجھائی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ رومیوں اور چینیوں میں مقابلہ ہو گیا۔ رومی کہتے ہیں ہم بڑے سورما ہیں۔ چینی کہتے ہیں ہم بڑے کاریگر ہیں۔ بادشاہِ وقت نے کہا: چلو تم اپنے اپنے فن کا اظہار کرو، مقابلہ کے دن پھر مقابلہ ہو گا، آپ بتائیں آپ لوگ کون سا کام کرنا چاہتے ہیں؟ اس وقت پھر ہم دیکھیں گے کہ جو اچھے ہوں گے ان کو انعام دیں گے۔ دو دیواریں مقرر ہو گئیں، درمیان میں پردہ لٹکایا گیا۔ بادشاہ نے کہا کسی اور کو کچھ نہیں بتانا، صرف مجھے بتانا ہے کہ آپ نے کون سی چیز منگوانی ہے، تاکہ ایک دوسرے کو پتا نہ چلے کہ کون کیا کر رہا ہے۔ اتنا زبردست نظام بنایا۔ چینیوں نے نقش و نگار کی چیزیں، جیسے رنگ، برش اور اس طرح کی چیزیں منگوائیں۔ اور رومیوں نے صرف صفائی کے آلات منگوائے، ریگ مالیں، کپڑے اور اس طرح کی چیزیں منگوا لیں۔ بادشاہ ان کو ان کے مطالبے کے مطابق دیتا رہا۔ وقتِ مقررہ پر پردہ ہٹایا گیا تو دیکھا کہ چینیوں نے زبردست قسم کی گُل کاری کی ہوئی تھی، آنکھوں کو خیرہ کرنے والے بیل بوٹے اور پتا نہیں کیا کیا بنایا تھا۔ رومیوں نے کچھ نہیں کیا تھا، انہوں نے دیوار کو صاف کیا تھا، اتنا صاف کیا تھا کہ وہ آئینہ بن گئی تھی، اس میں چیزیں نظر آتی تھیں، اس دیوار کے تمام نقش و نگار اس کے اندر نظر آئے۔ اور یہ فطرت ہے، سب لوگ جانتے ہیں کہ کیمرہ میں منظر زیادہ خوبصورت نظر آتا ہے۔ ویسے وہی عام سی جگہ ہوتی ہے، کوئی اس کو اتنی اہمیت نہیں دیتا۔ لیکن جب کیمرہ سے تصویر بنائی جاتی ہے تو آدمی کہتا ہے: کیا زبردست جگہ ہو گی۔ لہٰذا کیمرے کا جو عکس اور اس کی لائٹ ہے وہ اس کو کچھ کرتی

ہے۔ چنانچہ اس میں جو عکس آ رہا تھا، اس کا اپنا ایک منظر تھا۔ آخر ہیرے میں کون سا کمال ہوتا ہے؟ کیا ہیرے کے اندر کوئی لائٹ جل رہی ہوتی ہے؟ یہی باہر کی روشنی ہیرے پہ پڑتی ہے، لہٰذا اس کی جو reflection ہوتی ہے وہی اس کا کمال ہے۔ بہر حال اس میں وہ عکس اصل سے بہت زیادہ خوبصورت لگ رہا تھا۔ لہٰذا رومی جیت گئے۔ اس واقعے سے حضرت سمجھانا کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا تم دل پر محنت کرو، دل تمہارا آئینے کی طرح صاف ہو جائے، دنیا کی کوئی محبت اس میں نہ رہے، نکالو اس کو جتنا نکال سکتے ہو، صاف کرو، صاف کرو، اور صاف کرو۔ اس کے بعد محنتیں دوسرے لوگ کریں گے اور استعمال آپ کریں گے۔ عالم پوری محنت کر کے قرآن کے سارے معانی بتائے گا، ادھر صوفی جو صاف دل والا ہو گا، اس کو ساری بات سمجھ آ جائے گی۔ اور خود عالم کو کچھ بھی سمجھ نہیں آئے گی۔ "اَللّٰہُ اَکْبَرْ" کے متعلق بتاتا ہوں۔ "اَللّٰہُ اَکْبَرْ" کے بارے میں مفسر کتنا بتائے گا؟ محدود ہو گا۔ لیکن کیا "اَللّٰہُ اَکْبَرْ" محدود ہے؟ جو اللہ کا ادراک کر رہا ہے وہ بھی "اَللّٰہُ اَکْبَرْ" سن رہا ہے اور جو "اَللّٰہُ اَکْبَرْ" کے معانی جان رہا ہے اور تفسیریں جان رہا ہے وہ بھی "اَللّٰہُ اَکْبَرْ" سن رہا ہے۔ لیکن دونوں ایک جیسے نہیں ہیں۔ یہی فرمایا ہے:

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ (ق: 73)

ترجمہ: "یقیناً اس میں اس شخص کے لئے بڑی نصیحت کا سامان ہے جس کے پاس دل ہو، یا جو حاضر دماغ بن کر کان دھرے"۔

یعنی بے شک اس قرآن کے اندر نصیحت ہے، مگر اس شخص کے لئے ہے جس کا دل بنا ہے۔ اور دل کے بننے پہ محنت ہے۔ اس میں سوچنے کی مقام ہے، اس شخص کے لئے جس کے اندر دل ہے یا لگائے کان دل لگا کر۔ اس میں کیا بتایا گیا ہے؟ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یعنی اگر دل بنا ہے، تو قرآن سے خود لے گا، اور اگر دل بنا ہوا نہیں ہے، پھر کسی دل والے کی سنیں دل لگا کے، یعنی پھر دوسرے کے دل سے لے گا۔ یہ بالکل ایسے ہے کہ یا تو خود بینا ہو کہ راستہ پہ چلے، اگر خود بینا نہ ہو تو بینا پہ ہاتھ رکھے۔ یہی ہو سکتا ہے۔

متن:

اور شیخ محمد حسین نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص حقائق قرآنی سے آگاہی حاصل کرے تو اس کا کم ترین مقام یہ ہوتا ہے کہ قرآن اس شخص کو جنت میں پہنچا کر دم لیتا ہے۔ پس ذرا غور کرو! کہ اس سے اعلیٰ مقام اور کیا ہو گا؟ لیکن یہ بات یاد رکھ! اس مقام کی ابتدا اس سے ہو گی کہ قرآن کریم تجھ سے کلام کرے اور اپنا حسن و جمال تجھ کو دکھائے۔ اس کے بعد جو کچھ تم سمجھ پاؤ گے وہ اتصالات ہونگے، یعنی وہ مضامین قرآن کے اندرونی فضائل و محاسن کے بارے میں ہوں گے، اور انفصالات تجھ سے رخصت ہو جائیں گے، یعنی کوئی بات جو قرآن مجید کے مضامینِ حسن سے جدا اور علیحدہ ہو وہ تم سے کوسوں دور ہو جائے گی۔ اور اس ابتدا کی انتہا کوئی نہیں، اور ابد الآباد تک اس کی انتہا نہیں، لیکن تم یہ معلوم نہیں کر سکو گے کہ قرآن بس یہاں ہے، جب تک کہ تو ﴿فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾ (البینۃ: 3) کے اشارے اور غمزے مشاہدہ نہ کرے۔ اور علمائے ظاہر نے تو ظاہر پر قناعت کی ہے وہ قرآن کے چھلکے اور پوست کو تو دیکھتے ہیں مگر اُس کے مغز کی لذت اور ذائقہ سے آشنا نہیں کہ "إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ مَأْدُبَةُ اللهِ" (المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب فضائل القرآن، باب أخبار في فضائل القرآن جملة، رقم الحديث: 0402) یعنی قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کا سجایا ہوا دستر خوان ہے۔

تشریح:

اللہ کے کلام کے اندر جو معارف ہیں، وہ اللہ پاک نے پھیلا دیئے ہیں، جو ان سے جتنا لینا چاہے لے لے۔

متن:

اور حسن بصری نے اِس مقام پر فرمایا ہے کہ "أُنْزِلَ الْقُرْآنُ لِيُعْمَلَ بِهِ وَاتَّخَذَ النَّاسُ قِرَاءَتَهُ وَدَرْسَهُ عَمَلًا" یعنی قرآن کریم کے نزول کی غرض و غایت یہ ہے کہ اُس پر عمل کیا جائے، مگر لوگوں نے اس کی قرأت، تلاوت اور درس کو عمل بنا کر رکھا۔

تشریح:

یعنی یہ ذریعہ تو ہے، لیکن مقصود نہیں ہے۔

متن:

صُمٌّ (کان نہیں رکھتے) بُكْمٌ (گونگے ہیں) قرآن کیسے پڑھیں گے؟ عُمْیٌ (اندھے ہیں) اِن کی آنکھیں نہیں ہیں، آیت مُبارکہ کے حُسن و جمال کو دیکھ کر کیا لطائف حاصل کریں گے؟ اور ان لوگوں کا تعارف اور تعریف بس یہی ہے کہ ﴿لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾ (الحج: 64) "سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، لیکن اندھے ہو جاتے ہیں دِل جو سینوں میں ہیں" یعنی اِن کے دِل کی آنکھیں اندھی، دِل کی زبان گونگی اور دِل کے کان بہرے ہیں۔

تشریح:

پس پتا چلا کہ قرآن جو اللہ پاک کا کلام ہے، اللہ سے ملانے والا ہے، اس کے ساتھ ہمارا جتنا گہرا تعلق ہو گا، اتنا اتنا اللہ کے ساتھ ہمارا تعلق ہو گا۔ اسی طرح نماز، جو اللہ سے لینے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ (البقرہ: 54) اس کے ساتھ جتنا ہمارا تعلق ہو گا، جتنی گہرائی اس کے اندر ہو گی، جتنا خشوع و خضوع ہو گا، جتنا جذب ہو گا، اتنا ہی وہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے لے سکے گا۔ جیسے خانہ کعبہ پہ جا کر ملتا ہے، روضۂ اقدس پہ جا کر بھی ملتا ہے، اس کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ "اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ" "نماز مؤمن کی معراج ہے"۔ معراج کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے پاس پہنچ جانا، لا مکان پہنچ جانا۔ یعنی جتنا نقطۂ معراج ہے اس تک پہنچنا، اور وہ لامکان ہے۔ لہٰذا جس وقت انسان اللہ کے دربار میں ہے اور اللہ کی رحمت کی نظر میں ہے، تو اللہ جل شانہ اس کو جو دینا چاہتے ہیں، اس کو اس وقت دے دیتے ہیں۔ اسی طرح اس کی نماز جس حالت کی ہو گی اس کو اس کے مطابق دیا جائے گا، اس کی معرفت کے مطابق اس کو دیا جائے گا۔ تو ہم اگر ان راستوں کو بند کر لیں اور محض اس عادی نظام (یعنی جو عادۃً ہے) اسی پہ ہی اکتفا کریں تو ظاہر ہے ہم ان چیزوں تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہٰذا ہمیں ترقی کرنی پڑے گی، اپنی نماز کو مسائل کے لحاظ سے بھی درست کرنا پڑے گا، اور کیفیت کے لحاظ سے بھی بہتر کرنا پڑے گا۔ نماز میں ہماری جتنی اچھی کیفیت ہو گی، اتنی ہی بلندی کی طرف ہم جا سکیں گے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں جو چیز ملنی ہو گی وہ ان شاء اللہ ہمیں عطا ہو گی۔ اور یہ

پانچ وقت کے لئے بلایا جاتا ہے، قرآن تو دستر خوان ہے، کوئی لینا چاہے لے لے، نہ لینا چاہے تو اس کی مرضی ہے۔ "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" پانچ دفعہ باقاعدہ اللہ تعالیٰ ضروری طور پر (compulsorily) سب کو بلاتے ہیں کہ ان کو نوازیں۔ لیکن جو اللہ کے دیئے کئے نظام کو بوجھ سمجھے گا، وہ نماز نہیں پڑھ سکے گا اور نماز سے وہ چیز نہیں حاصل کر سکے گا۔ لیکن جو بوجھ نہیں سمجھتا، بلکہ اس ملنے والے نظام کا ادراک کر کے نماز کی تیاری کرے گا، اس کی بات اور ہو گی۔ پھر "اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ" کی طرح بات ہو گی۔ اور اگر اس طرح نہیں ہے تو پھر یہ چیز حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ہمیں باقاعدہ تیاری کرنی چاہئے۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے: ﴿وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ (البقرۃ: 54-64) اس میں جو آخری چیز ہے وہ خشوع کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور خشوع ذریعہ ہے نماز کو آسان کرنے کا۔ آج کل نماز میں سب کچھ ہوتا ہے خشوع نہیں ہوتا، نماز کیسے آسان ہو؟ لہٰذا نماز پہ محنت در اصل خشوع کو حاصل کرنے کی محنت ہے۔ ورنہ نماز کے مسائل انسان دو دن میں سیکھ سکتا ہے۔ لیکن خشوع کو پوری عمر سیکھنا پڑتا ہے اور اگر حاصل ہو جائے تو یہ بڑی بات ہے۔

یہ جو ابھی پڑھا گیا ہے۔ اس کو اشعار کی زبان میں کیسے سمجھایا گیا ہے۔ وہ اشعار درج ذیل ہیں۔

کلامِ ربی

قاریٔ قرآن ذرا تو دیکھو کہ سامنے کیا ہے کلامِ ربی
کلامِ حاکم، کلامِ محبوب کیا خوش ادا ہے کلامِ ربی

یہ تیرا آئین، یہ تیرا منشور، ہے تیری زیست کا یہ ایک دستور
مقابلے کا نہ سوچو اس کے کہ بس جدا ہے کلامِ ربی

تشریح:

یعنی اس کا کسی اور کلام کے ساتھ آپ مقابلہ کر ہی نہیں سکتے۔

لفظ لفظ میں ہے پیار کتنا، تو ہم ہوں اس پر نثار کتنے
زبان کتنی ہے خوش نصیب وہ، چلا ہے جس پہ کلامِ ربی

سکونِ دل بھی نصیب اس سے، اَجر تلاوت کا اس کا زیادہ
تو طاق میں بند بغیر دیکھے، کیوں رکھا ہے کلامِ ربی

شفائے دل ہے، دلوں کا نور ہے، دلوں میں اس سے کیا سرور ہے
کثافتیں ہوں جو دل میں زیادہ، تو پھر شِفا ہے کلامِ ربی

زبان مشغول ہو اس میں اور آنکھ دیکھنے میں ہو اس کے محو
تلاوت اس کی ہوں سنتے کان سے مری دعا ہے کلامِ ربی

کلامِ ربی پہ غور کرنا کلام پر ہو اور رب پہ بھی ہو
شبیرؔ دل سے ذرا تو پوچھو، کبھی سنا ہے کلامِ ربی

تشریح:

یعنی اگر ان دو باتوں پہ تھوڑا سا غور کر لو، تو پتا چلے گا کہ ہم نے کبھی سنا ہی نہیں۔ اگر سن لیں، تو پھر کیسا ہو گا۔

کلامِ ربی پہ غور کرنا کلام پر ہو اور رب پہ بھی ہو
شبیرؔ دل سے ذرا تو پوچھو، کبھی سنا ہے کلامِ ربی

تشریح:

یعنی قرآن کا جمال ہر ایک پہ نہیں کھلتا۔

قاریٔ قرآن ذرا تو دیکھو کہ سامنے کیا ہے کلامِ ربی
کلامِ حاکم کلامِ محبوب کیا خوش ادا ہے کلامِ ربی

اس کا ترجمہ پشتو میں بھی ہے، پشتو میں زیادہ پُر زور انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ریکارڈ ہو جائے گا، تو پشتو والے اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

توضیح المعارف

﴿قسط نمبر: 14﴾

فلسفۂ سائنس اور معرفتِ الٰہی

﴿نواں حصہ﴾

بعض غلط تعبیروں کی اصلاح:

وحدت الوجود کے حال سے گذرنے والے عارفین نے اس کے بارے کچھ مبہم الفاظ اور اشارات و کنایات بھی استعمال کئے ہیں۔ ان کے بعد کچھ نام نہاد صوفی ایسے آئے جنہوں نے بغیر حقیقی حال کے حامل بنے، محض کتابی علم اور فلسفے کے مدد سے وحدت الوجود کو سمجھنے کی کوشش کی۔ نتیجتًا یہ لوگ بزرگوں سے منسوب ان مبہم الفاظ اور عبارات سے غلط مطلب لے کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسرے سادہ لوح عوام کو بھی گمراہ کیا۔ انھوں نے ان مبہم عبارات کو لے کر وحدت الوجود کی ایسی تشریح کی جو اس حال سے گذرنے والے عارفین کی رائے سے بالکل متضاد تھی۔ مثلا ایسے لوگ اس دنیا کو تو ایک حقیقت مانتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے وجود کو محض ذہنی سمجھتے ہیں۔ جو کہ صریح کفر ہے۔ جبکہ وحدت الوجود والے حقیقی عارفین ان کے بالکل برعکس اللہ تعالیٰ کے وجود کو حقیقی سمجھ کر اس دنیا کو عکس یا کالعدم سمجھتے ہیں۔

مثال کے طور پر وحدت الوجود کے بارےاس قسم کی کچھ عبارات سے یہ غلط تاثر لیا گیا کہ حق تعالیٰ صرف معقول ہے۔ اگر اکابر صوفیاء سے اس قسم کی بات ثابت ہو جائے تو اس کی صحیح تاویل یہ ہوسکتی ہے کہ "حق صرف معقول ہے" سے مراد ان کا یہ ہو کہ وجودِ منبسط سے حق تعالیٰ کی ذات اقدس پاک بالا و برتر ہے۔ یا مثال کے طور پر یہ عبارت کہ" وجود کے فاعل کے لئے وجود سے پہلے وجود واجب نہیں ہوتا" وجود سے قبل وجود کی نفی سے مراد بھی وجودِ منبسط سے ہوسکتا ہے نہ کہ حق تعالیٰ جو کہ وراء الوراء ذات (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ) (الشوری: 11) ہے۔ خلاصہ یہ کہ وحدت الوجود

کے نام لیوا اور اس کا پرچار کرنے والے سارے حضرات کو ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانکنا چاہیے، کیونکہ ان میں محققین صوفیاء بھی ہیں اور نام نہاد دانشور بھی، ہر ایک کی بات کو اس کے محل پر رکھنا چاہیے۔

خوش اعتقادوں کی توحید:

عوام میں بھی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو ان وجودیہ بزرگوں سے محبت اور عقیدت رکھتے ہیں۔ اور ان کی باتیں وحدت الوجود کے بارے میں من و عن مانتے ہیں لیکن ان کو جانتے نہیں، بس صرف یہ ایک اجمالی سوچ قائم کر لیتے ہیں کہ یہ جو کائنات میں ہمیں کثرت نظر آرہی ہے، یہ سب نظر کا دھوکہ ہے۔ یہ عقیدہ بھی خطرناک ہے کیونکہ یہ شریعت کے احکام کے انکار تک پہنچا سکتا ہے۔ جو کہ سب کثرت پر مبنی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں جو وحدت الوجود کی شدت سے مخالفت کی ہے، وہاں ان کے پیش نظر موخر الذکر دو گروہ یعنی فلسفی اور وجودیہ صوفیاء اور جاہل عوام ہوتے ہیں۔

اسی طرح صوفیاء کرام کی شاعری میں عام طور پر حبّ الٰہی کو ابھارنے والی کچھ ایسی تعبیرات پائی جاتی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی نزدیکی، اس کو دیکھنا، اس کا ہمارے ہر طرف موجود ہونا وغیرہ۔ اس طرح کی باتوں کو صحیح تناظر یا context میں سمجھنے کی ضرورت ہے، جس کے لیے یہ کتاب مفید ہے۔ کیونکہ اس کتاب سے تشبیہ اور تنزیہ دونوں کو سمجھا جا سکتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے (وَمَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً) (آل عمران:191) اور (سُبْحَانَكَ) کو ساتھ ساتھ جمع فرمایا ہے اس لئے ان کثرتوں کا ثبات اور حق تعالیٰ کی تنزیہہ جس پر پوری شریعت مبنی ہے، دونوں کا حامل ہونا ضروری ہے۔

خالق قیوم کے تعلق کی نوعیت اپنے مخلوقات کے ساتھ:

اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوقات میں سے ہر ہر مخلوق سے بے انتہا نزدیکی اور قرب بلا واسطہ (direct) ہے یعنی خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی دوسری چیز حائل نہیں اور یہ نزدیکی اور قرب مخلوقات کا اللہ تعالیٰ پر اپنی بے انتہا انحصار (dependency) کی وجہ سے ہے۔ جس کو قیومیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہم ہر حال میں، پر وقت بلکہ ہر

لمحے میں اپنے خالق کی مرضی پر منحصر (dependent) ہیں۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہم نزدیکی کے مفہوم کو ایک ہی موطن (domain) میں دیکھنے اور سمجھنے کے عادی ہیں۔ ہمارے نزدیک مثلاً دو چیزیں میز اور کرسی اگر نزدیک ہیں تو دونوں کی نزدیکی کو ماپا جاسکتا ہے کہ یہ کتنے سینٹی میٹر یا ملی میٹر قریب ہیں۔ اسی طرح یہی دو چیزیں قریب ہوتے ہوتے ایک دوسرے سے مل بھی سکتی ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی اپنے مخلوقات سے نزدیکی ایسی نزدیکی نہیں ہے۔ کیونکہ خالق اور مخلوق مختلف مواطن (domains) میں ہیں جس کی وجہ سے حق ہمارے لئے وراء الورا ہے۔ اس تک رسائی ہمارے لیے ممکن نہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ (لَنْ تَرَانِی) (الاعراف: 143) ترجمہ: "تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے"

چیزوں کا دوسری چیزوں پر مکمل انحصار کے باوجود مختلف domains میں ہونے کو درج ذیل مثالوں سے واضح کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً آئینہ کا ایک وجود ہے۔ اس کو مَس (touch) کیا جاسکتا ہے۔ اور اس میں نظر آنے والی چیزیں کا ایک وجود ہے جن کو دیکھا تو جاسکتا ہے۔ لیکن ان کا آئینہ کی طرح مادی وجود نہیں ہے۔ ان کو مَس (touch) نہیں کیا جا سکتا۔ آئینہ اور اس کے اردگرد کی مادی چیزوں کا موطن (domain) اور ہے اور اس میں نظر آنے والے عکسوں کا موطن اور ہے۔ یہ عکس آئینہ پر منحصر تو اتنے ہیں کہ ایک سیکنڈ اس سے الگ ہوکر نہیں پائے جاسکتے۔ لیکن پھر بھی وجود کا موطن (domain) الگ ہونے کی وجہ سے یہ عکس کبھی بھی آئینہ کے سطح تک نہیں پہنچ سکتے۔ اسی طرح آئینہ سے اس کے اندر پائے جانے والے عکسوں کی نزدیکی کو بھی نہیں ماپا جاسکتا۔

یہی simulator والی مثال کو اگر دیکھا جائے اس میں جو ڈرائیونگ سیکھنے والا ہے وہ سکرین پر سب کچھ کررہا ہوتا ہے سکرین پر ہر چیز اس کی مرضی سے آتی ہے لیکن وہ چیزیں اس کو نہ دیکھ سکتی ہیں نہ چھو سکتی ہیں اس سے وہ اوٹ میں ہے۔

مخلوقات کے ساتھ خالق کی گوناگوں تعلقات و روابط کی تشریح:

اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوقات کے ساتھ بے شمار نسبتوں کو چار وسیع البنیاد (broad

categories) میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1. ابداع:

اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوقات کو تھامے ہوئے ہیں یعنی وہ ان سب کا قیوم ہے لیکن اس طرح سے کہ مخلوق اور خالق کے موطن (domain) الگ الگ ہیں۔اس کو ابداع کہتے ہیں۔ یہ نسبت اللہ تعالیٰ کو وجودِ منبسط یا نفس کلیہ کے ساتھ بھی ہے اور ظلال کے ساتھ بھی ہے۔ وجودِ منبسط کی مثال مادے کی سی ہے جس سے ظِلال بنتے ہیں۔ وجودِ منبسط کی تفصیل پہلے ہی سمجھائی گئی ہے۔

2. خلق:

یہ نسبت اللہ تعالیٰ کی صرف ظلال کے ساتھ ہے، وجودِ منبسط کے ساتھ نہیں ہے۔ ظلال اور وجودِ منبسط کو ایک مثال سے سمجھایا گیا تھا۔ ذیل میں اس کو دہرایا جاتا ہے:

مثلاً ایک carpenter ذہن میں ایک کرسی کا تصور بناتا ہے۔ پھر اس تصور کو سامنے رکھ کر وہ لکڑی پر مختلف کام (processes) کر کے آخر کار ایک کرسی بناتا ہے۔ اب جو کرسی لکڑی سے بنی ہے یہ اس ذہنی کرسی کی ظِل (shadow) ہے۔ اس ذہنی کرسی کو خارجی کرسی کی حقیقت کہتے ہیں۔ اور لکڑی کو ہم اس مثال میں اس کا وجودِ منبسط یعنی قیوم کہہ سکتے ہیں۔

مندرجہ بالا مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وجودِ منبسط سے ظلال بناتے ہیں۔ جن ظلال کے حقائق علم الٰہی میں موجود ہوتے ہیں، لیکن یہ پیدا کرنا ایک لمحاتی عمل (one time measure) نہیں ہے بلکہ ایک مسلسل عمل ہے۔ ان ظلال کا دو طرفہ تعلق ایک وجودِ منبسط (مادہ) سے اور دوسرا اپنے حقائق سے جو علم الٰہی میں ہیں، اللہ تعالیٰ ہی مسلسل برقرار رکھتے ہیں۔ خالق اور مخلوق کے درمیان اس تعلق کو خلق کہتے ہیں۔

3. تدبیر:

کائنات میں جو ظلال کا وسیع نظام موجود ہے، اس کے حسن اور رونق کو بھی اللہ تعالیٰ مختلف تصرفات کے ذریعے سے قائم رکھتے ہیں۔ مثلاً کسی چیز کو بڑھا کر کسی دوسری چیز کو پیچھے کر کے وغیرہ۔ یہ کام بظاہر خودکار طریقے سے ہوتے نظر آتے ہیں مثلاً decaying (کسی چیز کے زوال پزیر ہونے) کا process وغیرہ، لیکن اصل میں

اللہ تعالیٰ اپنے ارادے سے کائنات کے مجموعی حسن کو قائم رکھنے کے لیے ظلال میں رد و بدل کرتے ہیں۔ ظلال کے نظام میں اللہ تعالیٰ کے اس تصرف کو تدبیر کہتے ہیں۔

4. تدلی:

اس ظلال کے نظام میں بعض ظلال کو اللہ تعالیٰ اپنی ذات کا عنوان بنا لیتے ہیں۔ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب اور ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اس تصرف کو تدلی کہتے ہیں۔ اور ان ہی کو تجلیات کہتے ہیں۔ جس کی تفصیل آئندہ بیان ہو گی۔

علم فعلی ایک خوبصورت اصطلاح:

ایک انجینئر ایک ایسی چیز بنانا چاہتا ہے جو اس سے پہلے کبھی بھی نہ بنی ہو۔ اس کا کوئی نمونہ موجود نہ ہو۔ اس صورت میں سب سے پہلے وہ اپنے ذہن میں اس کو design کرے گا۔ مثلاً اس کی شکل کیسی ہو، اس کی لمبائی چوڑائی (dimensions) کیا ہوں، اس کی طاقت (strength) کتنی ہو، وغیرہ۔ پھر کوئی مواد (material) لے گا اور اس پر مختلف processes کرنے کے بعد بالآخر اس کے پاس تیار شدہ چیز (finished product) آجائے گی۔ یہ کسی چیز کا جو پہلے سے کبھی موجود نہ ہو، ذہن یا علم میں ڈیزائن کرنا علم فعلی یعنی کسی فعل کے لئے مطلوب علم کہلاتا ہے۔

اس ڈیزائن کا پہلا تعلق تو اس چیز کی صورت سے ہوتا ہے، جو سائنسدان کے ذہن میں آتا ہے۔ پھر یہ ڈیزائن اس چیز کے مادے کی خصوصیات (properties) کو استعمال کرتا ہے۔ ایسا original design صرف خالق حقیقی ہی کر سکتا ہے۔ کیونکہ سائنسدان جو بھی design کرتے ہیں، ان کے اردگرد اس کی نظیر یا مثال پہلے سے موجود ہوتی ہے۔ مثلاً پرندے اور مچھلیاں، جہاز اور sub marine جیسی جدید ایجادات کی بنیاد بنی۔

یہی وجہ ہے کہ عیسائی وغیرہ جب غیر مادی چیزوں مثلاً فرشتوں یا معراج کے سفر کی سواری براق وغیرہ کی تصویر جب اپنے فہم کے مطابق بنانا چاہیں تو مادی چیزوں مثلاً اڑنے والے پر اور انسان یا گھوڑے کی شکل ملا کر بنالیتے ہیں؛ کیونکہ ان کا تخیل ان موجودہ (existing) چیزوں سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

ڈیزائن کی اہمیت:

تیار مصنوعات (Finished product) کی اہمیت تو سب کو معلوم ہے لیکن اس

کے بننے کے بعد بھی ڈیزائن کی اہمیت جو باقی رہتی ہے، اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ وہ اس طرح کہ Finished product کتنا اچھا ہے؟ اس کا پتہ چلے گا اس بات سے کہ یہ ڈیزائن کے ساتھ کتنی مطابقت (matching) رکھتا ہے، آج کل بڑی کمپنیوں میں quality control وغیرہ میں یہی چیز چیک کی جاتی ہے کہ اصل (actual) اور مطلوبہ چیز (intended product) میں فرق کم سے کم ہو۔ اور تیار شدہ چیز (finished product) کی قیمت اسی لیے بڑھ جاتی ہے۔

احقر چونکہ stress analysis کی theory بھی پڑھاتا تھا اور اس کی laboratory میں practical implementation بھی کرواتا تھا۔ ایک ترک سائنسدان جو اس کی theory جانتا تھا لیکن اس کی lab کی اہمیت سے واقف نہ تھا۔ اس نے کہا کہ آپ لیبارٹری سے اس کا تجزیہ کیوں کرتے ہیں ہمارے پاس تو اس کے لئے بہترین سافٹ وئیر موجود ہے ہم اس کو اس کے ذریعے ڈیزائن کرتے ہیں۔ احقر چونکہ ان سافٹ وئیر سے واقف تھا اور جرمنی میں ان پر ہی تحقیق کی تھی تو اس کو یہ بات اس طرح سمجھائی کہ ڈیزائن کے لئے تو وہی سافٹ وئیر مفید ہے لیکن عملاً اس کا قابلِ اعتماد ہونا اس پر منحصر ہے کہ آیا یہ مطوبہ لوڈ برداشت کرسکے گا یا نہیں۔ اس کو جاننے کے لئے لیبارٹری میں اس کا stress analysis کے ذریعے دیکھنا ضروری ہے کیونکہ theory یا ڈیزائن کے وقت چونکہ اصل مواد (material) سامنے نہیں ہوتا اس لئے اس وقت کی assumed values پر calculation اور lab میں اصل میٹیریل سامنے آنے کے بعد حقیقی results مختلف ہوتے ہیں۔ تو اصل رزلٹ حاصل کرنے کے لیے پریکٹیکل لیب ضروری ہے تب اس کو یہ بات سمجھ آئی۔ مطلب یہ ہوا کہ design میں اور finished product یا theory اور پریکٹیکل میں فرق ناگزیر ہے۔

اس بحث کا لب لباب یہ ہوا کہ چیز بننے سے پہلے اس کے ذہنی نمونے کا محتاج ہے۔ ڈیزائن جو علم یا ذہن سے تعلق رکھتا ہے، اور finished product جو خارج میں موجود ہے، دونوں کی بات ہوئی۔ جبکہ اب صرف ذہن یا علم سے متعلق concepts بتائے جائیں گے۔ خارجی چیزوں کا اس میں ذکر نہیں ہو گا البتہ دو نئی اصطلاحات "واحد عقلی" اور "عالم عقلی" سمجھائی جائیں گی۔

میں نے ایک دفعہ یوں تصور کیا کہ میں بے انتہا دولت کا مالک ہوں۔ پھر تصور ہی میں اس دولت سے بہت سے خیراتی ادارے، ہسپتال، سکول، کالج اور سڑکیں بنائی۔ تصور میں یہ ادارے کام کرنے لگے اور لوگ فائدہ اٹھانے لگے۔ مزید تفصیلات کی یہاں ضرورت نہیں۔ لیکن اگر میں اس مثال میں اپنے تصور کے خیالی ماحول پر ہی focus کروں۔ اور میرے سامنے میرے تصور میں بنے سکول،کالج اور ہسپتال وغیرہ ہوں، تو یہ عالم عقلی یا لحاظی عالم کہلائے گا۔

دوسری طرف اگر ہم اس تصور کو اس زاویے (angle) سے دیکھیں کی یہ سارا تصور میرے ذہن میں ہے اور میرے ذہن میں ہی یہ سوچ یعنی thinking process ہو رہا ہے تو اس حیثیت سے یہ واحد عقلی کہلائے گا۔ اس صورت میں اس کی عارضی نہیں بلکہ ایک مستقل حیثیت ہوگی اور یہ عالم عقلی کا باعث ہوگا لئے اس کو فاطر اور عالمی عقلی کو مفطور کہہ سکتے ہیں (فاطر و مفطور کی اصطلاح پہلے سمجھائی گئی ہے)۔

آسان اور جدید مثال:

مثلاً ایک سافٹ وئر جو driving simulator کا ہے۔ وہ CPU میں 0،1 کی شکل میں موجود ہے۔ جب یہ سافٹ وئر چلتا ہے تو سکرین پر بہت سی گاڑیاں عمارتیں اور رکاوٹیں وغیرہ نظر آتی ہیں۔

اس مثال میں سافٹ وئر واحدِ عقلی ہوگا اور کمپیوٹر سکرین پر چلنے والے مناظر، گاڑیاں عمارتیں وغیرہ عالم عقلی کہلائے گا۔

جب ہم سکرین پر چلتی پھرتی گاڑیاں اور دوسری چیزیں دیکھتے ہیں تو ہمارے ذہن کے گوشے یا at the back of mind موجود ہوتا ہے کہ یہ سارا کچھ سافٹ وئر ہی ہے۔ جو کمپیوٹر کے CPU میں موجود ہے۔ لیکن یہ چیز اس وقت ہمارے لئے ثانوی حیثیت رکھتی ہے ۔ کیونکہ اس وقت ہم عالم عقلی پر focus کررہے ہوتے ہیں۔

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی کے شب و روز

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ میں حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کی علالت کے باعث حضرت کے خلفا خانقاہ کے معمولات چلا رہے ہیں جس سے طالبانِ حق مسلسل سیراب ہو رہے ہیں۔ دروس کی تفصیل درج ذیل ہے:

آج کی بات

روزانہ صبح بعد از نمازِ فجر تین مختصر بیانات ہوتے ہیں

- درسِ قرآن
- ریاض الصالحین سے ایک حدیث شریف کی تعلیم
- مطالعہ سیرت بصورت سوال

(حضرت شیخ مفتی محمد صدیق عمر صاحب دامت برکاتہم)

جمعۃ المبارک:

- ختم قرآن، مجلسِ درود شریف اور اس کے بعد جمعہ کی آخری گھڑیوں میں دعا (عصر اور مغرب کے درمیان) (حضرت شیخ سید عبید الرحمن صاحب دامت برکاتہم)

ہفتہ:

- حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کی معرکۃ الآرا تصنیف "فہم التصوف" اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز کتاب "تربیت السالک" جو سالکینِ طریقت کے خطوط اور ان کے جوابات کا مجموعہ ہے کا درس (رمضان شریف میں بعد نمازِ عصر) (حضرت شیخ ڈاکٹر محمد عمر ملک صاحب دامت برکاتہم)
- بعد از عصر (ہفتہ) تا اشراق (اتوار) تک مرد حضرات کے لیے خانقاہ میں اصلاحی و تربیتی جوڑ ہوتا ہے، جس کے معمولات یہ ہیں: نمازِ عصر کے بعد جوڑ بیان اور مجلسِ ذکر میں شرکت، نمازِ عشاء کے بعد تراویح اور صبح نمازِ تہجد اور انفرادی معمولات، ختمِ قرآن اور نمازِ اشراق۔

اتوار:

● (خواتین کے لیے اصلاحی بیان) دن 11 سے 12 بجے تک خانقاہ میں شرعی پردے کے اھتمام کے ساتھ۔ (حضرت شیخ ڈاکٹر محمد عمر ملک صاحب دامت برکاتہم)

نوٹ: ہر ماہ میں کسی ایک اتوار کو خانقاہ میں صبح 9 سے 12 بجے تک تین گھنٹے کا خواتین کیلئے اصلاحی و تربیتی خصوصی جوڑ ہوتا ہے۔ (یہ جوڑ تاحال حضرت کی علالت کے باعث موقوف ہے)

● حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "انفاسِ عیسی" سے حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کے ریکارڈ شدہ بیانات (رمضان شریف میں بعد نمازِ عصر)

● انگریزی میں بیان (رات 07:00 بجے) (حضرت شیخ زین العابدین صاحب دامت برکاتہم)

پیر:

● پشتو میں بیان (رمضان شریف میں شام چار بجے) (حضرت شیخ جلال صاحب دامت برکاتہم)

● اصلاح و تربیت کے متعلق (بذریعہ وٹس ایپ، ای میل اور ٹیلی فون پر موصول ہونے والے) سوالات کے جوابات (رمضان شریف میں بعد نمازِ عصر) (حضرت شیخ ڈاکٹر محمد عمر ملک صاحب دامت برکاتہم)

منگل:

● مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب مثنوی شریف کے اشعار کا اردو ترجمہ اور ان کی تشریح (رمضان شریف میں بعد نمازِ عصر) (حضرت شیخ عامر عثمان صاحب دامت برکاتہم)

بدھ:

● حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریفہ سے درس (رمضان شریف میں بعد نمازِ عصر) (حضرت شیخ حسین احمد صاحب دامت برکاتہم)

جمعرات:

- حضرت ڈاکٹر عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "اسوۂ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم)" سے درس (رمضان شریف میں بعد نمازِ عصر)
- درود شریف کی مجلس (درودِ تنجینا ایک ہزار مرتبہ، اسکے بعد نعت شریف، چہل درود شریف کی سماعت اور مناجاتِ مقبول سے دعا) (حضرت شیخ سید عبید الرحمن صاحب دامت برکاتہم)